یکم و ۱۶ جون ۲۰۲۶ء | بسم اللہ الرحمن الرحیم | جلد نمبر: ۱۹ - شمارہ نمبر: ۱۱-۱۲

پندرہ روزہ
معارف فیچر کراچی
MA'ARIF FEATURE

مدیر: سیّد شاہد ہاشمی

نائب مدیران: منعم ظفر خان، محمودُالحق صدیقی، نوید نون - معاون مدیران: غیاث الدین، م ع فاروقی

ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی - ۷۵۹۵۰
فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱-۳۶۳۴۹۸۴۰ (۹۲-۲۱)
برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

Fortnightly "Maarif Feature" Karachi: REG.No.SC-1303

۱ - **معارف فیچر** ہر ماہ کی یکم اور سولہ تاریخوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے، جو اسلام سے دلچسپی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لیے اہم یا مفید ہو سکتی ہیں۔

۲ - پیش کیا جانے والا لوازمہ بالعموم بلاتبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطۂ نظر، خیال یا معلومات کے انتخاب کی وجہ اس سے ہمارا اتفاق نہیں، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدلل تردید یا اس سے اختلاف پر مبنی لوازمہ کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔

۳ - **معارف فیچر** کو بہتر بنانے کے لیے مفید معلومات کے حصول یا ان کے ذرائع تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

٤ - ہمارے فراہم کردہ لوازمے کے مزید، لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی عام اجازت ہے۔

۵ - **معارف فیچر** کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رہتی ہے اور عطیات قبول بھی کیے جاتے ہیں۔ **اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی**

جہنّم سے بھی بدتر اسرائیلی عقوبت خانے

Awad Joumaa

اسرائیلی جیلوں سے رہائی پانے والے فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ اُنہیں انسانیت سوز ماحول میں رکھا گیا، مظالم ڈھائے گئے، برہنہ بھی کیا جاتا رہا، عصمتیں بھی پامال کی گئیں۔ بہت سے معاملات میں کتوں کے ذریعے بھی ہراساں کیا گیا۔

محمد ذکی الکبری نے اپنی کہانی کسی جیل کے نام سے شروع نہیں کی۔ اُس نے ایک کتے کے ذکر سے اپنا احوال بتانا شروع کیا۔ 'الجزیرہ' نے اسرائیلی جیلوں میں فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے حوالے سے ایک دستاویزی فلم تیار کی ہے جس کا نام 'باڈیز آف ایویڈنس: اسرائیلز ڈاریکسٹ ویپن' ہے۔ اسرائیلی جیلوں میں انسانیت سوز مناظر عام تھے۔ قیدیوں کو برہنہ کرکے باندھ دیا جاتا تھا اور یہ سب کچھ دیکھ کر اسرائیلی سپاہی خوب ہنستے تھے اور وڈیوز بھی بناتے تھے۔ ذکی الکبری نے بتایا کہ وہ غزہ میں اسرائیل کے ہاتھوں برپا کی جانے والی نسلی تطہیر سے بمشکل بچ پایا۔ اُس کا تعلق غربِ اردن کے علاقے خان یونس سے ہے۔ اُس نے پانچ اسرائیلی جیلوں میں ۲۰ ماہ گزارے۔ اسرائیلی جیلوں کے حکام فلسطینی قیدیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف رکھ کر ہتھکڑی لگاتے تھے۔ ٹانگیں بھی باندھ دی جاتی تھیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی تھی۔

ذکی الکبری کہتے ہیں کہ اسرائیلی جیلوں کے حالات ایسے انسانیت سوز تھے اور لوگوں نے اِتنے ظلم سہے کہ اگر اُن سے کہا جائے کہ کُھل کر بیان کریں تو وہ شاید پوری طرح بیان بھی نہ کر پائیں۔ اُن باتوں کے بیان کرنے سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ برہنہ کرنے کے بعد اُن سے ''زیادتی'' کی گئی۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُن سمیت ۷ فلسطینیوں پر کتوں کے ذریعے جنسی حملے کرائے گئے۔

کئی ماہ کی رپورٹنگ کے دوران 'الجزیرہ' کی ڈاکیومینٹری ٹیم نے سابق فلسطینی قیدیوں سے کتوں کے ذریعے کرائے جانے والے جنسی حملوں سے متعلق شواہد جمع کیے۔ قیدیوں کو شدید خوفزدہ کرنے کا یہ کوئی واحد حربہ نہ تھا۔ جنسی طور پر ہراساں کرنے کے اور بھی کئی طریقے اسرائیلی جیلوں میں آزمائے گئے۔ مقصود صرف یہ تھا کہ قیدیوں کی عزتِ نفس اِس قدر مجروح ہو جائے کہ اُن کا مورال خطرناک حد تک گر جائے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ زندہ رہنے کے قابل نہ رہ سکیں۔

کئی سابق فلسطینی قیدیوں نے وہ سب کچھ بتایا جو اُن پر بیتا تھا مگر اُن کی استدعا تھی کہ ان کا نام پوشیدہ رکھا جائے۔ ایک فلسطینی نے بتایا کہ اُسے باری باری ۸/ اسرائیلی جیلوں اور حراستی مراکز میں رکھا گیا، تفتیش اور تحقیقات کے نام پر غیر معمولی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ان قیدیوں پر تربیت یافتہ کتّے چھوڑ دیے جاتے تھے جو اُنہیں محض بھونک کر ہراساں نہیں کرتے تھے بلکہ اُن پر حملے بھی کرتے تھے۔ بہت سے قیدی اِن کتوں کے کاٹے سے شدید زخمی ہوئے اور پھر کبھی مکمل بحال نہ ہو پائے۔ اسرائیل کی ''سدے تائمن'' نامی جیل میں ایسے کئی واقعات رونما ہوئے۔

یہ سب کچھ محض جیلوں کی چار دیواری تک محدود نہ تھا۔ فلسطینی علاقے رملہ کے 'ویمنز سینٹر فار لیگل ایڈ اینڈ کاؤنسلنگ' کی انٹرنیشنل ایڈووکیسی کوآرڈی نیٹر کفایہ خرائم نے 'الجزیرہ' کو الخلیل کی ایک فیملی پر ڈھائے جانے والے مظالم کے بارے میں بتایا۔ یہ جولائی ۲۰۲۳ء کی بات ہے۔ اسرائیلی فوجی کتوں کے ساتھ بزور گھر میں داخل ہوئے۔ خواتین کو حکم دیا گیا کہ برہنہ ہو جائیں اور گھر کے اندر سپاہیوں کے ساتھ مارچ کریں۔

شیریں (جس کا اصل نام پوشیدہ رکھا گیا ہے) اسرائیلی جیلوں اور حراستی مراکز میں وقت گزار چکی ہے۔ اُس نے بھی اسرائیلی مظالم جھیلے ہیں اور اب وہ ایک نمایاں سیاسی کارکن ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ کتوں کو بروئے کار لانے کے علاوہ قیدیوں کو بار بار برہنہ بھی کیا جاتا تھا۔ جنین کے علاقے سے تعلق رکھنے والے نوعمر عدنان حسن نے بتایا کہ اُسے ۱۷ سال کی عمر میں گرفتار کیا گیا اور ۵ ماہ تک حراست میں رکھا گیا۔ مقبوضہ بیت المقدس سے تعلق رکھنے والے سابق فلسطینی قیدی میس ابو غوش نے بتایا کہ اسرائیلی جیلوں میں انسانیت سوز مظالم معمول کا حصہ ہیں۔ قیدیوں کی انتہائی تذلیل یقینی بنانے میں کوئی الجھن یا قباحت محسوس نہیں کی جاتی۔ ان تمام قیدیوں کے بیانات یا گواہیوں سے کسی ایک جیل، ایک گارڈ یا ایک واقعے کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ اسرائیل کی تمام ہی جیلوں کا معاملہ یہ ہے کہ فلسطینیوں کو انتہائی نوعیت کے حالات سے دوچار رکھا جاتا ہے۔ یہ محض واقعات نہیں بلکہ سسٹم ہے۔ ایک مکمل نظام کے تحت فلسطینی قیدیوں کا مورال ہلاکت خیز حد تک گرانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ کبھی مکمل بحالی کی زندگی بسر ہی نہ کر سکیں اور جینے سے اُن کا جی اُچاٹ ہو جائے۔

اندرونی صفحات پر

- کیا سپر پاور کی کرسی ڈگمگا رہی ہے
- مودی مات کھا گئے
- ایران امریکا معاہدے کے بعد دنیا کیسی ہوگی

فلسطینی حکام نے مختلف ذرائع کے حوالے سے بتایا ہے کہ ۱۹۶۷ء سے اب تک اسرائیلی جیلوں میں ساڑھے سات لاکھ فلسطینیوں کو طرح طرح کے مصائب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق ۱۹۶۷ء سے ۲۰۰۶ء کے دوران کم و بیش آٹھ لاکھ فلسطینیوں کو اسرائیلی جیلوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اپریل ۲۰۰۶ء میں ’ادامیر پریزنر سپورٹ اینڈ ہیومن رائٹس ایسوسی ایشن‘ نے بتایا کہ سرِ دست اسرائیلی جیلوں میں ۹,۶۰۰ فلسطینی سیاسی قیدی ہیں۔ ان میں ۳,۵۳۲ وہ ہیں جنہیں انتظامی حراست کے تحت رکھا گیا ہے۔ ان پر کوئی الزام عائد کیا گیا ہے نہ مقدمہ ہی چلایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں فلسطینی جیلوں میں ۳۴۲ بچے اور ۸۴ خواتین ہیں۔

بیشتر فلسطینیوں کے لیے اسرائیلی جیلیں محض منفی نوعیت کا تجربہ ہی نہیں بلکہ زندگی اور نفسی ساخت کا حصہ ہیں۔ کسی بھی فلسطینی کو اُس کے گھر، دفتر، اسپتال اور پناہ گاہ سے، فوج کے چھاپے کے دوران یا چیک پوائنٹ پر حراست میں لیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی فلسطینی مرد یا عورت کو حراست میں لینے کے بعد سپاہیوں، خفیہ اداروں کے افسروں، فوج کے حراستی مراکز، پولیس کی تحویل، فوجی عدالتوں اور جیلوں کے مراحل سے گزارا جاسکتا ہے۔ اسرائیلی جیلوں میں سدے تائمن، اوفر، نیگیو، ایشکیلون، تفتیشی مراکز، چیک پوائنٹس اور فوجی کیمپ نمایاں ہیں۔

گرفتاری کے بعد قیدی کا نام صرف نمبر میں تبدیل ہوتا ہے۔ حراست میں لیے گئے فرد کو کپڑوں سے محروم کیا جاتا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے جاتے ہیں۔ کھانا کم دیا جاتا ہے۔ سونے نہیں دیا جاتا۔ کتوں کی اِنٹری ہوتی ہے۔ قیدیوں کو عصمت سے محروم کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ بہت سوں کو یہ سب کچھ جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ بعض نے بتایا کہ اُن سے محض زیادتی ہی نہیں کی گئی بلکہ وڈیوز بھی بنائی گئیں۔ بیشتر فلسطینی قیدیوں کا کہنا ہے کہ شکایت کا کوئی فائدہ نہیں۔ کارروائی تو کیا ہوگی، شُنوائی بھی نہیں ہوتی۔

ذکی البکری نے بتایا کہ کتوں کو تفتیش کے دوران محض موجود ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ اُن سے قیدیوں پر حملے بھی کرائے جاتے ہیں۔ قیدیوں کے گرد سپاہی کتوں کو ٹہلاتے ہیں اور لاتیں مارتے جاتے ہیں۔

فلسطینی قیدی یہ سب کچھ اس لیے جھیلتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ وہ یکسر بے اختیار ہوتے ہیں۔ سپاہی تفتیش کے دوران تشدد ڈھاتے ہوئے ہنستے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں، طنز کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پوری ذلت کی وڈیوز بھی بنائی جاتی ہیں۔ ’الجزیرہ‘ کو بہت کچھ بتایا گیا جو اِس خیال سے بیان نہیں کیا جا رہا کہ اُسے سُن اور پڑھ کر لوگ مزید بے مزا ہوں گے، مزاج میں مزید تکدّر پیدا ہوگا۔ بنیادی طریقِ کار یہ ہے کہ کتّے بار بار نمودار ہوتے ہیں اور قیدیوں کو انتہائی نوعیت کی تذلیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اسرائیلی جیلوں کے حالات چند قیدیوں ہی نے بیان کیے ہیں۔ بہت سے فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیلی جیلوں میں تشدد عام ہے۔ اور انسانیت سوز سلوک بھی اس قدر اور اس حد تک ہے کہ اُنہیں بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کتوں کا استعمال اس قدر ہے کہ اُنہیں انسان ہی سمجھا جانا چاہیے یعنی وہ اپنے ہینڈلرز کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ جیسے ہی اشارہ ہوتا ہے، یہ تربیت یافتہ کتے فلسطینی قیدیوں پر پل پڑتے ہیں۔

ایک فلسطینی قیدی نے بتایا کہ یہ کتے اس قدر تربیت ہوتے ہیں کہ اشارہ ہونے پر منہ میں دبائی ہوئی فولادی سلاخ سے قیدی کے سر کو نشانہ بنانے لگتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ جسم کو نوچتے ہیں، زیادتی کی کوشش کرتے ہیں۔

ریاستی دیواروں کے پیچھے

اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں سے کی جانے والی تفتیش کے دوران تشدد اور کتوں کے بے دریغ استعمال سے متعلق تفصیلات نے دنیا بھر کے میڈیا میں نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ اِس حوالے سے اسرائیل کو غیر معمولی تنقید کا سامنا ہے۔ ایک طرف تو فلسطینیوں کی طرف سے عائد کیے جانے والے الزامات ہیں اور دوسری طرف اسرائیلی حکام کی طرف سے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اِن مظالم اور زیادتیوں سے کیا جانے والا انکار ہے۔ اسرائیلی حکومت یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینیوں سے انسانیت سوز سلوک روا رکھا جاتا ہے یا تشدد ہی کیا جاتا ہے۔

جن فلسطینیوں اور تنظیموں نے اسرائیلی حکام کو بدسلوکی کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اُن کے یہ الزامات راتوں رات منظرِ عام پر نہیں آئے۔ مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں انسانی حقوق کی صورتِ حال کے حوالے سے اقوامِ متحدہ کی خصوصی رابطہ کار فرانشیسکا البانیزی نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ فلسطینیوں کو ایک طویل مدت سے شدید انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے، اُن کی وڈیوز بھی بنائی گئی ہیں اور کتوں سمیت دیگر جانوروں کو بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ فرانسیسکا البانیزی کا کہنا ہے کہ یہ تمام وہ حقائق ہیں جن سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ اسرائیلی حکام، سپاہی اور تفتیش کار ایک باقاعدہ نظام اور طریقِ کار کے تحت کام کرتے ہیں۔ فلسطینی قیدیوں کو زنجیروں سے اس حد تک جکڑ کر رکھا جاتا ہے کہ خون نکل آتا ہے۔ اُنہیں بلا جواز مارا پیٹا جاتا ہے۔ گھسیٹا جاتا ہے۔ بھوکا رکھا جاتا ہے۔ سخت سرد یا سخت گرم ماحول کے حوالے کیا جاتا ہے۔ علاج کی سہولت دینے سے یکسر انکار کیا جاتا ہے۔ کتوں سے حملے کرائے جاتے ہیں۔ قیدِ تنہائی میں رکھا جاتا ہے۔ جنسی ہراساں کیا جاتا ہے۔ زیادتی کی جاتی ہے۔ جبری برہنہ کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ گھر کے دیگر افراد کو بھی مارنے یا جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی جاتی ہے۔

کفایہ خرائم کہتی ہیں کہ فلسطینیوں کو انتہائی نوعیت کے مظالم کا سامنا اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ اسرائیلی حکام اُنہیں خاموش رکھنا چاہتے ہیں۔ فلسطینی مرد اور لڑکے بالعموم اپنی کہانی اِس لیے نہیں سُناتے کہ اُنہیں اپنی بدنامی کا خوف ہوتا ہے، معاشرہ اُنہیں عجیب نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس معاملے میں خواتین زیادہ الجھن کا شکار رہتی ہیں۔ وہ کسی کو بتا نہیں پاتیں کہ اُن کی عصمت پامال کی گئی۔ یہی حال بچوں کا بھی ہے۔ وہ بھی بتا نہیں پاتے کہ اُنہیں اسرائیلی جیلوں میں کس نوعیت کے مسائل اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے پاس اپنی کہانی بیان کرنے کے لیے موزوں الفاظ بھی نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ فلسطینیوں نے جو مصائب ’الجزیرہ‘ کے رپورٹنگ پینل کے سامنے بیان کیے ہیں، وہ اہم ہیں، اُنہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کوئی قانونی مقدمات نہیں ہیں۔ یہ ٹوٹی پھوٹی یادیں ہیں جو شدید خوف اور اشتعال کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کا قصہ ہے کہ جن کے لیے کسی نہ کسی طور اپنے وجود کو بچا پانا ہی سب کچھ تھا۔ وہ بقا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

تذلیل کا ڈھانچا

نقب کے صحرائی علاقے میں قائم ’سدے تائمن‘ نامی اسرائیلی ملٹری حراستی مرکز ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد فلسطینیوں پر انتہائی بہیمانہ تشدد کے حوالے سے خبروں میں نمایاں ہو کر ابھرا ہے۔ اس جیل کے حوالے سے خبریں آئی ہیں کہ فلسطینیوں کو زنجیروں میں باندھ کر رکھا جاتا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ بیمار پڑنے یا زخمی ہونے کی صورت میں طبی سہولت بھی نہیں دی جاتی۔ بہت زیادہ تشدد بھی کیا جاتا ہے اور زیادتی کے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔

پانچ اسرائیلی فوجیوں پر ’سدے تائمن‘ جیل میں ایک

فلسطینی قیدی سے زیادتی کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ نام نہاد تفتیش کا مرحلہ مکمل کیا گیا۔ اِس کے بعد اسرائیلی حکام نے مارچ ۲۰۲۶ء میں اِن فوجیوں پر عائد کیے جانے والے الزامات کو مسترد کردیا۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ اسرائیلی حکومت یہ بات تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں کہ فلسطینیوں قیدیوں کو انسانیت سوز سلوک کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

جن فلسطینیوں کو حراست میں لیا جاتا ہے، اُنہیں کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ فوجی حراستی مرکز، خفیہ اداروں کے ہاتھوں پوچھ گچھ، پولیس کی تحویل، فوجی عدالتیں اور رسمی جیلیں۔ اسرائیلی پریزن سروس اور پولیس کو اسرائیل میں قومی سلامتی کی وزارت کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ اِس کی قیادت اتامر بین گوِر کے ہاتھ میں ہے۔ 'سدے تائمن' جیسے تفتیشی اور حراستی مراکز اسرائیلی فوج کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اسرائیل کی داخلی سلامتی کے ادارے 'شِن بیت' کو وزیرِ اعظم ہاؤس کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ وزارتِ انصاف ریاست کی قانونی پالیسی، استغاثہ اور حکومت کے قانونی دفاع کی ذمہ دار ہے۔ ذمہ داری کئی حصوں میں بانٹی گئی ہے۔

کوئی بھی شخص سپاہیوں کے ہاتھوں قید ہوسکتا ہے، خفیہ اداروں کے افسر پوچھ گچھ کرسکتے ہیں، جیل کے گارڈز اُس کی نگرانی کرسکتے ہیں، اُسے فوجی عدالتوں کے روبرو پیش کیا جاسکتا ہے اور سویلین لیگل باڈیز کے ذریعے بھی اُن کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔ سوال جواب کے مرحلے سے گزرنے کی بنیاد پر کوئی بھی ادارہ کسی بھی قیدی کا کسی بھی چین آف کمانڈ کے حوالے کرسکتا ہے۔ یہ تمام معاملات اسرائیل میں حراست سے متعلق ڈھانچے کا حصہ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ فلسطینی مرکز برائے انسانی حقوق کے بانی اور ڈائریکٹر راجی سَورانی کہتے ہیں کہ معاملہ اسرائیل کی کسی ایک جیل کا نہیں ہے۔ سَورانی نے 'الجزیرہ' کو بتایا کہ ہمارے سامنے جرائم بھی ہیں اور شواہد بھی۔ چین آف کمانڈ بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ سَورانی کے مطابق 'سدے تائمن' تو برفانی تودے کا محض سِرا ہے۔

جنسی تشدد بحیثیت ہتھیار

حراستی مراکز میں جنسی تشدد عصمت دری، عصمت دری کی دھمکیوں، بزور برہنہ کیے جانے، بہت زیادہ جامہ تلاشی لیے جانے اور جنسی بنیاد پر تذلیل جیسے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے۔

جو کچھ اسرائیلی جیلوں اور حراستی مراکز میں ہوتا رہا ہے، وہ بین الاقوامی قانون تحت بین السطور اور نیت کی بنیاد پر جنگی جرم، انسانیت کے خلاف جرم یا نسلی تطہیر کا اقدام قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسرائیلی حکومت نے بظاہر پالیسی کے تحت جنسی تشدد کو ہتھیار کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ جنسی معاملات میں انتہائی نوعیت کی بدسلوکی کا سامنا کرنے والوں کی نفسی ساخت انتہائی متاثر ہوتی ہے۔ وہ زندگی بھر اپنے آپ سے شرمندہ رہتے ہیں۔ جنسی درندگی کا شکار بننے والوں کا مورال جان لیوا حد تک گر جاتا ہے، زندہ رہنے میں اُن کی دلچسپی بہت نمایاں حد تک گھٹ جاتی ہے۔ اور معاملہ صرف جنسی تشدد تک محدود نہیں رہتا۔ اِس قبیح عمل کی وڈیو بنانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ اس گھناؤنے فعل میں اسرائیلی خواتین حکام بھی شریک ہوتی ہیں۔ کئی فلسطینیوں کو حراستی مراکز میں شدید جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور وڈیوز بھی تیار کی گئیں۔ شیریں، جس کی اصل شناخت چھپائی گئی ہے، نے بتایا کہ اُسے بار بار برہنہ کیا گیا۔ اہلکار ایک کمرے میں لے گئے اور حکم دیا کہ کپڑے اُتارو۔ اِس کے بعد اُس نے جو کچھ بیان کیا، اُسے بیان کرتے ہوئے انسانیت شرما جاتی ہے۔

عدنان، جس کی اصل شناخت چھپائی گئی ہے، مقبوضہ غربِ اردن کے علاقے جنین سے تعلق رکھتا ہے۔ جب وہ ۱۷سال کا تھا تب ایک دن وہ اسکول سے گھر آرہا تھا کہ ایک ایسے مقام پر پھنس گیا جہاں اسرائیلی فوج چھاپہ مار رہی تھی۔ اسرائیلی فوجیوں نے اُس کی طرف ایک دھماکا خیز آئٹم اُچھالا۔ دھماکا ہوا اور عدنان کا دایاں ہاتھ شدید متاثر ہوا۔ ایک ہفتے کے بعد، جبکہ عدنان کا علاج ہورہا تھا، اسرائیلی فوجی دوبارہ آئے اور اُسے حراست میں لے لیا۔ اُسے پانچ ماہ تک حراست میں رکھا گیا۔ اُس نے بتایا کہ اِس مدت کے دوران اُسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جسم کے نازک حصوں پر بھی تشدد کیا گیا۔ کئی بار اُسے برہنہ کیا گیا۔ وہ شدید زخمی تھا مگر اِس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا گیا۔

محمد ابو کباش نے سب سے پہلے کتوں کے بھونکنے کی آواز سُنی۔ جمعہ کی رات، ایک بجے کا وقت تھا۔ یہ مقبوضہ غربِ اردن کے علاقے خربۃ حمصۃ الفوقا کی بات ہے۔ اُس کی فیملی سو رہی تھی۔ وہ ایک فلیش لائٹ لے کر باہر نکلا تو دیکھا کہ سامنے پہاڑی کے ساتھ ساتھ کئی لوگ جمع تھے اور مختلف سمتوں میں رواں تھے۔

ابو کباش کو یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہودی آبادکاروں نے حملہ کردیا ہے۔ وہ مسلح تھے۔ چار یہودی آبادکاروں نے ابو کباش کو پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ باندھ دیے۔ اُس کے ہاتھوں پر خنجر سے وار کیا گیا اور غیر معمولی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

محمد ابو کباش کے بھائی صہیب نے بتایا کہ فلسطینیوں پر یہودی آبادکاروں نے اُس وقت حملہ کیا جب وہ سو رہے تھے۔ حملہ آوروں نے ہر گھر کو نشانے پر لیا۔ ہر گھر پر کم و بیش بیس یہودی آبادکاروں نے حملہ کیا۔ کچھ لوگ فلسطینیوں کے ہاتھ باندھ رہے تھے اور دیگر افراد انہیں تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔

محمد ابو کباش نے بتایا کہ اُس کے بھائی صہیب کو کئی یہودی آبادکاروں نے گھیر رکھا تھا۔ اُسے مارا پیٹا جارہا تھا۔ وہ بہت بڑی تعداد میں تھے اور اسرائیلی فوجیوں یا پولیس اہلکاروں کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ صہیب کو برہنہ کرکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اُس کے جسم کے نازک حصوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ بعد میں ایک انٹرویو میں صہیب نے بتایا کہ نائلون کی رسی سے اُس کے ہاتھ اور پاؤں ہی نہیں باندھے گئے بلکہ شرمگاہ کو بھی باندھا گیا۔

محمد ابو کباش نے بتایا کہ جب یہودی حملہ آور چلے گئے تب صہیب میرے پاس آیا۔ اُس سے چلا بھی نہیں جارہا تھا۔ اُس کی بہت بُری حالت تھی۔ رات تھی، اندھیرا تھا۔ صہیب کی بیوی کو بلایا گیا۔ فلیش لائٹ میں نائلون کی رسی کاٹی گئی۔ ہاتھ اور پاؤں اِس طرح کس کر باندھے گئے تھے کہ جسم سے خون رِسنے لگا تھا۔

یہودی آبادکاروں نے تمام فلسطینیوں کو ایک میدان میں جمع کیا۔ انہوں نے تمام خواتین کو بھی گھروں سے نکالا اور دھمکی دی کہ اگر علاقے کو خالی نہ کیا گیا تو خواتین اور بچوں کی عصمت پامال کردی جائے گی۔

یہودی آبادکاروں نے فلسطینیوں کے گھروں میں توڑ پھوڑ ہی نہیں بلکہ اُن کی روزی روٹی بھی چھین لی۔ محمد ابو کباش نے بتایا کہ اُس کے گھر کی آمدنی کا واحد ذریعہ بھیڑیں ہیں۔ یہ ذریعہ بھی چھین لیا گیا۔ یہودی آبادکار تمام بھیڑیں بھی ساتھ لے گئے۔ اب ان فلسطینیوں کا ذریعۂ معاش کچھ بھی نہیں۔

فلسطینیوں کی مشکلات کم تو کیا ہوں گی، اُن میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ لوگوں کی زندگی بھر کی کمائی یوں چھین لی جاتی ہے کہ وہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور شکایت بھی نہیں کرسکتے۔ اسرائیلی حکام اور عدالتیں اُنہیں انصاف فراہم کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتیں۔ بعض خاندانوں کی کئی نسلوں کی کمائی دیکھتے ہی دیکھتے لُٹ جاتی ہے اور وہ بس تکتے

ہی رہ جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں؟

پولیس کو بلایا گیا مگر وہ بہت دیر سے آئی۔ ایک فوجی گاڑی بھی آئی مگر تب تک بستی کے تمام فلسطینیوں کو غیر معمولی تشدد کا نشانہ بنایا جاچکا تھا۔

اسرائیلی پولیس اور فوج کا کہنا ہے کہ اس واقعے کی چھان بین کی جارہی ہے۔ ایک زمانہ گزر چکا ہے مگر اب تک پوچھ گچھ اور چھان بین کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کسی کو سزا نہیں ملی اور کسی کو سرزنش تک نہیں کی گئی۔ جن لوگوں نے اس حوالے سے 'الجزیرہ' سے بات کی ہے، اُن میں سے کسی کو بھی انصاف نہیں ملا، زرِتلافی بھی ادا نہیں کیا گیا۔

فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ حالات چاہے کوئی بھی رُخ اختیار کریں، کچھ بھی ہو جائے، وہ لوگ اس علاقے کو کسی طور خیرباد نہیں کہیں گے۔ محمد ابو کباش کا کہنا ہے کہ ہم ثابت قدم ہیں۔ ہمیں کسی بھی ظلم کی پروا نہیں۔ ہم جہاں ہیں، وہیں رہیں گے۔ ہم اپنی زمین سے کسی بھی صورت دست بردار نہیں ہوں گے۔

تردید، صرف تردید

'دی اسرائیل پریزن سروس' کا کہنا ہے کہ وہ ایک قانونی ادارہ ہے اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کام کرتا ہے۔ اسرائیلی میڈیا میں جاری کی جانے والی رپورٹس کے مطابق 'دی اسرائیلی پریزن سروس' کے حکام کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کے الزامات بے بنیاد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسرائیلی جیلوں میں کسی بھی قیدی سے بالائے قانون سلوک روا نہیں رکھا جاتا، کسی پر تشدد نہیں ڈھایا جاتا اور کسی کو بھی علاج کی سہولت سے محروم بھی نہیں رکھا جاتا۔ اسرائیلی حکام کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسرائیلی جیلوں میں تمام قیدیوں کے بنیادی حقوق کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

اسرائیل کی جیلوں میں فلسطینیوں سے غیر انسانی سلوک روا رکھے جانے اور قیدیوں پر جنسی تشدد ڈھائے جانے سے متعلق حالیہ میڈیا رپورٹس کو یکسر بے بنیاد قرار دیتے ہوئے امریکا میں اسرائیل کے سفیر یحییئیل لیتیر کا کہنا ہے کہ کسی بھی غیر قانونی اقدام کی صورت میں باضابطہ شکایت درج کی جانی چاہیے اور معیاری جمہوری معاشرے کے بنیادی اصولوں کی طرح اسرائیل بھی ایسی شکایات پر چھان بین اور پوچھ گچھ کرے گا تاکہ سچائی تک پہنچا جاسکے۔

۳ جون ۲۰۲۶ء کو واشنگٹن میں امریکی محکمۂ خارجہ کی میزبانی میں اسرائیلی اور لبنانی وفود کی میٹنگ کے بعد میڈیا کے نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے امریکا میں اسرائیلی سفیر لیتیر کا کہنا تھا کہ اسرائیل میں ایسا کچھ نہیں ہو رہا جیسا کہ بیان کیا جارہا ہے۔

'الجزیرہ' نے جو حقائق جمع کیے ہیں، اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل میں فلسطینی قیدیوں کا تحفظ یقینی بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی اور ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک خاص نظام یا طریقِ کار کے تحت ہے۔ ایک سابق قیدی کا کہنا ہے کہ جب رہائی کا وقت قریب آگیا تب چند خواتین آئیں جو خود کو وکیل بتارہی تھیں۔ اُنہوں نے جیل کے ماحول کے بارے میں پوچھا۔ وہ قیدیوں سے معلوم کر رہی تھیں کہ کھانا ضرورت کے مطابق دیا جاتا تھا یا نہیں، مارا پیٹا تو نہیں جاتا تھا اور یہ کہ تفتیش کے عمل میں کتے استعمال کیے جاتے تھے یا نہیں۔ یہ خواتین بہت کچھ پوچھ رہی تھیں اور رپورٹ مرتب کرنے کا عندیہ دے رہی تھیں۔ جو کچھ بھی فلسطینیوں پر بیتی تھی، وہ اُنہوں نے اِن نام نہاد وکلا کو بتادیا۔ انہوں نے بہت کچھ نوٹ کیا۔ اِتنا تو ہوا مگر اِس کے بعد کچھ بھی نہ ہوا۔ کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ جن فلسطینیوں کو زیادتی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اُن کے نقصان کی تلافی کسی بھی صورت نہیں کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی حکام اور پورے نظامِ سیاست وحکومت پر سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔ ایک دنیا ہے جو جان چکی ہے کہ جو کچھ بھی اسرائیل کی جیلوں میں ہوتا ہے، وہ انسانیت سوز ہے۔ فلسطینیوں کو انتہائی بے چارگی کے عالم میں یوں نشانہ بنایا جاتا ہے کہ اُن کا مورال ہلاکت خیز حد تک گر جائے۔

تاریخ کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ یورپ میں یہودیوں کو اس الزام کے تحت تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا کہ وہ اپنی عبادت سے متعلق رسوم کے لیے عیسائی بچوں کو قتل کر کے اُن کا خون استعمال کرتے تھے۔ اب اسرائیلی حکومت کا کہنا ہے کہ فلسطینی قیدی بھی من گھڑت باتیں پھیلا کر یہودیوں کے خلاف نفرت کی فضا کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

شرمندہ ہونے کے بجائے اسرائیلی اپنے مظالم کو چھپا رہے ہیں، اُس پر مٹی ڈال رہے ہیں اور فلسطینیوں پر یعنی ظلم وستم کا نشانہ بننے والوں پر الزام دھر رہے ہیں کہ وہ جھوٹ بول کر یہودیوں کو بدنام کر رہے ہیں، اُن کے خلاف فضا تیار کر رہے ہیں۔ اسرائیلی جیلوں میں انسانیت سوز مظالم اور انتہائی نوعیت کی تذلیل کا سامنا کرنے والوں پر جو کچھ بھی بیتی اُسے یکسر جھٹلایا جارہا ہے اور یہ بھی نہیں سوچا جارہا کہ یہ قبیح عمل کس طور انصاف کی راہ میں دیواریں کھڑی کرسکتا ہے۔

اسرائیلی حکام دکھاوے کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں۔ وہ شکایات جمع کرتے ہیں اور تفتیش کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے ایسا بہت کچھ کرتے ہیں جو محض خانہ پُری کے ذیل میں آتا ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسرائیلی حکام کے بارے میں شکایت کرے، اُنہیں مظالم پر لتاڑے تو اِس عمل کو یہودیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے ہتھکنڈے کے طور پر لیا جاتا ہے یعنی فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر کوئی کارروائی تو کیا ہوگی، اُن کی شکایات کو یہودیت مخالف پروپیگنڈا قرار دے کر انتہائی ڈھٹائی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

خیر، گزرے ہوئے زمانوں اور بالخصوص یورپ کے وسطی زمانوں میں ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا معاملہ بہت مختلف تھا۔ اُس زمانے میں باضابطہ بیانات اور گواہیاں ہوتی تھیں نہ شواہد۔ آج زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ سابق فلسطینی قیدیوں پر جو مظالم ڈھائے جاتے رہے ہیں اُن سے متعلق تفصیلات بھی موجود ہیں اور شواہد بھی۔ فلسطینی تنظیموں اور بنیادی حقوق کے علم بردار اداروں نے اس حوالے سے دستاویزات اور دستاویزی فلمیں بھی تیار کی ہیں۔ بنیادی حقوق کے بین الاقوامی ادارے اس حوالے سے غیر معمولی تحرک کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی ادارے بھی اس پورے معاملے کو بہت آسانی سے نظر انداز کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جو کچھ بھی اسرائیلی حکام کے ہاتھوں فلسطینیوں کو برداشت کرنا پڑا ہے، وہ سب کچھ اس قدر واضح ہے کہ چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ اسرائیلی جیلوں میں ہر طرح کے تشدد اور انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بننے والوں کے لیے اسرائیلی وکیل بِن مرمریلی نے بتایا کہ اُس نے ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد اپنے موکلین سے پہلی بار اپریل ۲۰۲۴ء میں ملاقات کی۔ اُس کا کہنا ہے کہ میں نے کئی فلسطینی قیدیوں کو اس حال میں دیکھا کہ وہ محض ڈھانچا دکھائی دے رہے تھے۔ اقوامِ متحدہ نے کسی بھی انسان کی بقا کے لیے یومیہ ۲۱۰۰ کیلوریز والی خوراک کو لازم قرار دیا ہے جبکہ ان فلسطینی قیدیوں کو یومیہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ کیلوریز والی خوراک دی جارہی تھی۔ بعض فلسطینی قیدیوں کو ایسا لگا جیسے ہولوکاسٹ سے متعلق کسی فلم کا منظر آنکھوں کے سامنے ہو۔

اقوامِ متحدہ کا انتباہ

اگست ۲۰۲۵ء میں اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو

گوتریس نے جنسی تشدد اور دیگر الزامات کی بنیاد پر اسرائیل کو اقوامِ متحدہ کی سالانہ فہرست میں نوٹس پر رکھا۔ یہ انتہائی شرمناک بات تھی۔ اسرائیلی ریاست پر براہِ راست الزام عائد کیا گیا تھا کہ وہ فلسطینی قیدیوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھا رہی ہے۔ اقوامِ متحدہ میں متعین اسرائیلی سفیر کے نام ایک خط میں انتونیو گوتریس نے لکھا کہ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں پر جنسی تشدد سے متعلق خبریں انتہائی تشویشناک ہیں۔ اِسی رپورٹ میں حماس کو بھی نوٹس پر رکھا گیا تھا۔

یہ انتباہ بہت اہم ہے کیونکہ یہ بنیادی حقوق کی علم بردار تنظیموں کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک کی نمائندہ تنظیم اقوامِ متحدہ کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی ہر رپورٹ ایک خاص عمل کے ذریعے مرتب کی جاتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے یہ بھی کہا کہ اقوامِ متحدہ کے انسپکٹرز کو فلسطینی قیدیوں تک رسائی نہیں دی جارہی جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاملات کتنے تشویشناک ہیں۔ فلسطینی قیدی جو کچھ بھی کہتے ہیں، اُس کی تصدیق کے لیے لازم ہے کہ اقوامِ متحدہ کے انسپکٹرز کو قیدیوں تک رسائی دی جائے۔ یہی مرکزی نکتہ ہے۔ اگر غیر جانبدار مانیٹرز کو رسائی نہ دی جائے تو پھر کوئی بھی ریاست یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اُس پر جو الزامات عائد کیے جارہے ہیں، ویسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

’انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس‘ کا بھی کہنا ہے کہ ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد سے اب تک اُسے فلسطینی قیدیوں تک رسائی نہیں دی گئی۔ تنظیم چاہتی ہے کہ اُسے اسرائیلی جیلوں اور حراستی مراکز میں موجود فلسطینیوں تک رسائی دی جائے تاکہ یہ بھی بتایا جائے کہ جو فلسطینی لاپتا ہیں، وہ کہاں رکھے گئے ہیں۔ عالمی ادارے اس حوالے سے میدان میں ہیں اور اپنے حصے کا کردار پوری تندہی سے ادا کررہے ہیں۔

جو لوگ اسرائیلی جیلوں سے زندہ واپس آئے ہیں، اُن کے اور اُن کے وکلا کے لیے اسرائیلی منطق دائرے کی طرح ہے یعنی جہاں سے بھی چلیے، پہنچیں گے وہیں جہاں سے چلے تھے۔ فلسطینیوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اسرائیلی جیلوں میں ہوا، اُسے ثابت کرو اور جو ادارے اِن معاملات کی تصدیق کرسکتے ہیں، اُنہیں پورے عمل سے باہر رکھا جاتا ہے۔

اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی قیدیوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، اُن کے بارے میں ’الجزیرہ‘ نے جو دستاویزی فلم بنائی ہے، اُس کا نام محض علامت کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ کاغذی کارروائی میں جو کچھ نہیں ہوتا، وہ جسم پر درج ہوتا ہے۔ جس انسان کو گندے سلوک کا سامنا کرنا پڑا ہو، وہ اُسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ خراشیں غائب ہوجاتی ہیں۔ دستاویزات غائب ہوجاتی ہیں۔ وڈیوز اُن کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں جو اُنہوں نے تیار کی ہیں۔ طبی ریکارڈ روک دیا جاتا ہے، بگاڑ دیا جاتا ہے، تبدیل کردیا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ طبی ریکارڈ کبھی تیار ہی نہ کیا جائے۔ گواہ اِدھر سے اُدھر ہوسکتے ہیں۔ اُن کا تبادلہ ہوسکتا ہے، رہائی عمل میں لائی جاسکتی ہے، ملک بدری ہوسکتی ہے۔ اُنہیں ”خاموش“ کیا جاسکتا ہے یا تذلیل کے ذریعے منہ بند رکھنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ جن پر بیتی ہو، وہ کبھی اپنا دُکھ نہیں بھولتے۔

بنیادی حقوق کی نمایاں تنظیموں نے فلسطینی قیدیوں کی گواہیوں اور بیانات کی مدد سے اچھا خاصا ریکارڈ تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان بیانات کی روشنی میں انسانیت سوز مظالم ڈھانے والے اسرائیلی حراستی مراکز، تفتیشی مراکز اور جیلوں سے متعلق تمام تفصیلات جمع کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے تاکہ مستقبل میں قانونی کارروائیوں کے لیے اس ریکارڈ کو بروئے کار لایا جاسکے۔

فلسطین کے ’ڈیفنس فار چلڈرن انٹرنیشنل‘ نامی ادارے (ڈی سی آئی) کے اکاؤنٹیبلٹی پروگرام ڈائریکٹر عاید ابو قطیش تمام معاملات کو باضابطہ دستاویزی شکل دینے کے حوالے کام کررہے ہیں۔ وہ فلسطینی بچوں سے روا رکھے جانے والے گندے سلوک کے ازالے کے حوالے سے خصوصی طور پر متحرک ہیں۔ بنیادی حقوق کے وکیل تحسین علیان نے بھی بین الاقوامی سطح پر احتساب کے حوالے سے کام کیا ہے۔ بنیادی حقوق کے وکیل طیب علی خان نے بھی فلسطینیوں کے مقدمات کو بین الاقوامی سطح پر چلائے جانے کے حوالے تحریک چلائی ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ماہر شانتال میلونی نے بھی فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے متعلق امور کو باضابطہ قانونی اور دستاویزی شکل دینے کے حوالے سے بہت کچھ کیا ہے۔ وہ فلسطینی قیدیوں کی نمائندہ کے طور پر بھی کام کرتی رہی ہیں۔ وہ اسرائیلی حکام کے خلاف فلسطینیوں کی گواہیوں کو قانونی فورم میں لانے کے حوالے سے متحرک رہی ہیں۔ پروفیسر اور انٹرنیشنل کرمنل لا ایکسپرٹ تریستینو ماریِنیلو فلسطینیوں کے مقدمات کو بین الاقوامی اداروں تک لاکر اُن کے لیے انصاف یقینی بنانے کے حوالے سے غیر معمولی طور پر متحرک رہے ہیں۔

ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی معاملات کو باضابطہ دستاویزی شکل دینے کی کوشش کی جاتی ہے تب اسرائیلی ریاست کی طرف سے غیر معمولی ردِعمل دکھائی دیتا ہے۔ ’الجزیرہ‘ کی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ایک فلسطینی وکیل کے مطابق ایک پندرہ سالہ لڑکے نے بتایا کہ کس طور اُسے ایک چیز کے ذریعے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اُس بچے کا رابطہ امریکی محکمۂ خارجہ سے کرایا گیا۔

بچے کے الزامات پر تفتیش کرنے کے بجائے اسرائیلی حکام نے ڈی سی آئی کے دفتر پر چھاپہ مارا اور پھر اس تنظیم کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا۔

استغاثہ کا خلا

اسرائیلی حکام کا دعویٰ ہے کہ کسی بھی غیر قانونی اقدام کے حوالے سے تفتیش اور تحقیقات کی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف فلسطینی حکام، اسرائیل اور عالمی برادری سے تعلق رکھنے والے بنیادی حقوق کے اداروں اور تنظیموں کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں سے انتہائی شرمناک بدسلوکی کے واقعات کی بھی تفتیش و تحقیقات برائے نام ہوئی ہیں۔ یہ سب کچھ باضابطہ ریکارڈ پر ہے۔ اسرائیلی قانون دان مرمریلی کا کہنا ہے کہ اسرائیل میں ایک ایسا نظام کام کررہا ہے جو عزت سے کھیلنے دیتا ہے۔ یہ غیر معمولی تشدد اور ایذا رسانی کی بھی اجازت دیتا ہے۔

دائیں بازو کے سیاسی کارکنوں اور ’اسرائیلی پریزن سروس‘ نے بِن مرمریلی کے خلاف اسرائیل بار ایسوسی ایشن سے شکایت کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ریاستی مشینری پر بے بنیاد الزامات عائد کیے جارہے ہیں۔ اُدھر مرمریلی کا کہنا ہے کہ مجھے اِس بات کی کچھ پروا نہیں کہ میرے خلاف کیا کہا جارہا ہے، کیسی شکایات درج کرائی جارہی ہیں۔ اگر یہ لوگ میرا وکالت کا لائسنس بھی ضبط کرلیں تو میں خاموش نہیں رہوں گا۔

’الجزیرہ‘ نے جو دستاویزی فلم تیار کی ہے، اُس میں اسرائیل سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے علم بردار لیئہ تسیمل کی انٹری بھی ہے۔ وہ عشروں سے فلسطینی قیدیوں کے مقدمات لڑتی آئی ہیں۔ مرمریلی کی طرح لیئہ تسیمل بھی ریاستی مشینری کے ہاتھوں فلسطینی قیدیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے سے نہیں کتراتیں اور اِس معاملے میں اُنہیں کسی کا بھی کچھ خوف نہیں۔

سابق جج اور انٹرنیشنل کرمنل کورٹ کے دوم نائب صدر کونو تارفوسیر کہتے ہیں کہ سوال صرف اسرائیل کے نظام کا نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ انصاف کے بین الاقوامی نظام میں بھی خامیاں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر روسی صدر ولادیمیر

پوٹن کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا جائے تو ایک دنیا خیر مقدم کرتی ہے۔ اور اگر اسرائیلی وزیرِ اعظم بنیامین نیتن یاہو کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا جائے تو تنقید ہوتی ہے۔ یہ دوغلا پن ہے جو ختم ہونا چاہیے۔ یہ تفریق کیوں؟ ایسی صورت میں انصاف کیونکر یقینی بنایا جاسکتا ہے؟ یہ منافقت ناقابلِ قبول ہے۔ جو کچھ تارفوسیر نے کہا ہے، وہ کسی بھی اعتبار سے بڑبولے پن کے ذیل میں نہیں آتا نہ ہی بڑھک ہے۔ سوال ڈھانچے کا ہے۔ کوئی بھی نظام کسی نہ کسی ڈھانچے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اگر قانون کا اطلاق بڑی طاقتوں کے دشمنوں ہی پر کیا جائے تو وہ لازمی طور پر محسوس کریں گے کہ قانون کسی بھی طور کوئی ڈھال نہیں۔ اِسے تو پھر طاقت کی ایک الگ زبان ہی کہا اور سمجھا جائے گا۔

تفتیش سے تصدیق

’الجزیرہ‘ نے جو دستاویزی فلم تیار کی ہے، اُس میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ اسرائیلی جیلوں سے زندہ باہر آنے والوں نے جو کچھ بھی کہا ہے، اُس پورے کے پورے بیانیے کی غیر جانبدار ذرائع سے مکمل تصدیق کرائی جاچکی ہے۔ پوری دستاویزی فلم میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ہر اسرائیلی سپاہی، گارڈ، تفتیش کار یا افسر نے قیدیوں سے بدسلوکی میں حصہ لیا۔ یہ دعویٰ بھی نہیں کیا گیا ہے کہ ہر اسرائیلی جیل، فوجی کیمپ یا تفتیشی مرکز میں جنسی تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔

’الجزیرہ‘ کی دستاویزی فلم میں یہ بات زیادہ زور دے کر بیان کی گئی ہے کہ فلسطینی قیدیوں پر تشدد تواتر سے ڈھایا جاتا رہا۔ اُنہیں بار بار برہنہ کیا جاتا رہا۔ کتوں کے ذریعے ہراساں کرنے کے واقعات بھی تواتر سے رونما ہوئے۔ یہ سب کچھ حراست اور تفتیش کے مختلف مراحل کے دوران ہوا اور بار بار ہوا۔ دستاویزی فلم میں قانون دانوں اور بنیادی حقوق کے لیے کام کرنے والے سیاسی کارکنوں کے بیانات بھی ریکارڈ کیے گئے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور شکایات نظر انداز کی گئیں، گواہیاں روکنے کی کوشش کی گئی اور جن لوگوں نے شکایات درج کرائیں اُنہیں مزید ایذا دی گئی۔

’الجزیرہ‘ کی دستاویزی فلم میں بنیادی حقوق کے ماہرین کے بیانات بھی شامل ہیں جن کا کہنا ہے کہ جو کچھ اسرائیلی جیلوں اور حراستی مراکز میں ہوتا رہا ہے، وہ انسانیت کی تذلیل اور ایذا رسانی کے ایک جامع نظام کا حصہ ہے۔ اِن بیانات میں ایک ایسے ریاستی ڈھانچے کا ذکر ہے جو سپاہیوں، خفیہ اداروں کے افسروں، جیلوں کے گارڈز، پولیس، وکلائے استغاثہ، عدالتوں اور وزارتوں میں منقسم ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی بھی غیر قانونی حرکت یا واردات کے حوالے سے احتساب کا عمل بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر کسی کے زخم دکھائی بھی دے رہے ہوں تب بھی ذمہ داروں کا تعین بہت دشوار ٹھہرتا ہے۔

اسرائیلی حکام کہتے ہیں کہ شکایات درج کرائی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسپکٹرز ہوتے ہیں۔ اِس دعوے کا بھی بار بار اعادہ کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی جیلیں قانون کے مطابق کام کرتی ہیں۔ خیر، یہ سب کہنے کی حد تک ہے۔ شکایات پر کارروائی ہو یہ لازم نہیں۔ انسپکٹرز ہیں مگر وہ معائنے کے نام پر برائے نام یا رسمی نوعیت کی کارروائی کرتے ہیں اور اسرائیلی جیلوں کی جو حالت ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔

دنیا کے لیے آزمائش کی گھڑی

بن مرمریلی کا کہنا ہے کہ جو کچھ بھی اسرائیلی جیلوں میں ہو رہا ہے، وہ انتہائی شرمناک ہے۔ سچ کو ہر حال میں سامنے لانا ہوگا۔ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا اُنہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں جان سے ہاتھ نہ دھونا پڑیں تو وہ کہتا ہے کہ میں حقیقت کو دنیا کی نگاہوں سے چھپانے کے کھیل کا حصہ کبھی نہیں بنوں گا اور نہ ہی یہ کھیل کھیلوں گا۔ پھر چاہے اِس میں میری جان ہی چلی جائے۔

لیئۃ تسیمل بزرگ اسرائیلی قانون دان ہیں جو ۱۹۷۰ء کے عشرے سے فلسطینیوں کے مقدمات لڑتی آئی ہیں۔ وہ اسرائیلی حکومت کے لیے ایک بڑے چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے ایسے مظالم کے مقدمات لڑتی رہی ہیں جو ثابت ہونے کی صورت میں سزائے موت کی منزل تک لے جاسکتے ہیں۔ اسرائیل کے جن جنگی جرائم کا باضابطہ دستاویزی ثبوت بھی موجود ہے، وہ بھی اب تک سزا کی منزل سے بہت دور ہیں۔ اسرائیلی عدالتیں محض کٹھ پتلی کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ تسیمل کہتی ہیں کہ اسرائیلی حکومت کو باہر سے وکلا لانے دیجیے، پھر دیکھ لیں گے۔

’الجزیرہ‘ نے جن فلسطینیوں کو دستاویزی فلم کے لیے ریکارڈ کیا، وہ اسرائیلی جیلوں میں اپنے پر ڈھائے جانے والے مظالم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے انتہائی پریشان اور دل گرفتہ دکھائی دیے۔ بہت سوں کی حالت غیر ہوگئی۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ اُن پر بیتی ہے، اُس کے درست بیان کے لیے موزوں ترین الفاظ کہاں سے لائیں۔

فرانسیسکا البانیزی کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کی آواز دبانے کی بھرپور کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ اُن کا مورال اِس حد تک گرانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ وہ پھر زندہ رہنے میں بھی زیادہ دلچسپی نہ لیں۔ جنسی تشدد کو ایک ایسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے جس کے ہاتھوں محض جسم نہیں بلکہ روح بھی زخمی ہو اور لوگ دوبارہ سَر اُٹھانے کے قابل نہ ہوسکیں مگر فلسطینیوں نے ہمیشہ کے لیے سَر جھکانے سے انکار کردیا ہے۔ وہ ایک کمیونٹی کی حیثیت سے اپنے آپ زندہ رکھنے کی بھرپور تگ ودَو کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں۔

’الجزیرہ‘ کی دستاویزی فلم ثابت کرتی ہے کہ جب کوئی کمیونٹی طے کرلیتی ہے کہ اُسے ہر حال میں جینا ہے تو وہ زندہ بھی رہتی ہے اور اپنے آپ کو منوانے پر بھی تُلی رہتی ہے۔ جنسی تشدد جیسی اذیت سہنے پر بھی فلسطینیوں میں زندہ رہنے اور خود کو منوانے کی آرزو اور لگن ماند نہیں پڑی۔ بوسنیا ہرزیگووینا کے مسلمانوں کے خلاف بھی سربوں نے یہی ہتھیار استعمال کیا تھا۔ عصمت دری کے ہزاروں واقعات رونما ہوئے تھے۔ بوسنیا ہرزیگووینا کے مسلمانوں کا مورال گرانے کے لیے جنسی تشدد کو بھرپور ہتھیار کے طور پر بروئے کار لایا گیا تھا۔

ایسا نہیں ہے کہ جن سابق فلسطینی قیدیوں سے رابطہ کیا گیا، وہ سبھی بولنے پر رضامند ہوئے۔ کچھ نے کہا کہ اُن کی اپنی زندگی خطرے میں پڑسکتی ہے اور بعض کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اسرائیلی جیلوں میں ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی، زبان کھولی تو غزہ میں موجود اُن کے رشتہ داروں کے لیے مسائل پیدا ہوں گے۔ کچھ سابق فلسطینی قیدیوں نے یہ کہتے ہوئے کچھ کہنے سے گریز کیا کہ اب کیا فائدہ ہے کچھ بھی بولنے کا کیونکہ کوئی کارروائی ہونی نہیں تھی۔

جن فلسطینیوں نے سب کچھ بتانے پر رضامندی ظاہر کی، اُن کی بھی غالب اکثریت نے متبادل نام اپنانے کو ترجیح دی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی اصل شناخت کے ساتھ سامنے آکر بات کریں اور کسی اضافی مشکل کا شکار ہو جائیں۔ اُنہیں ڈر تھا کہ شناخت ظاہر ہونے پر اُن کے ساتھ ساتھ اُن کی فیملی اور خاندان کے ارکان کو بھی پریشان کیا جاسکتا تھا۔ کوئی بھی الزام عائد کرکے اُنہیں گرفتار بھی کیا جاسکتا تھا۔

(مترجم: ابوصباحت)

"Shackled, bleeding, raped: Palestinians describe abuse in Israel’s prisons". ("Aljazeera". June 9, 2026)

کیا سُپر پاور کی کرسی ڈگمگا رہی ہے

Hasmukh Gajjar

سپر پاور بننا اور اِس حیثیت کو برقرار رکھنا بچوں کا کھیل نہیں۔ امریکا واحد سپر پاور ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد سرد جنگ ختم ہوئی تو امریکا دنیا کا طاقتور ترین ملک بن گیا۔ اب اُس کے سامنے، اُس کی ٹکر کا کوئی نہ تھا۔ سپر پاور ہونا انتہائی مشکل مرحلہ ہے مگر اس سے زیادہ مشکل مرحلہ ہے اِس حیثیت کو برقرار رکھنا۔ ہر عہد کی سپر پاور پر غیر معمولی دباؤ رہا ہے اور امریکا بھی اِس فطری اصول سے مستثنیٰ نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسری کسی بھی سپر پاور کے مقابلے میں امریکا پر بہت زیادہ دباؤ ہے۔

اِس وقت مختلف خطوں کے ۸۰ ممالک میں امریکا کی ۷۵۰ فوجی تنصیبات ہیں جن پر تعینات فوجیوں کی تعداد ۲ لاکھ سے زائد ہے۔ امریکا نے طالع آزمائی کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ وہ عسکری مہم جُوئی بھی کرتا رہتا ہے۔ اِس کے لیے عسکری قوت کا برقرار رکھا جانا لازم ہے۔

جرمنی، جاپان اور جنوبی کوریا میں امریکی فوجی اڈے کوئی آج کی حقیقت نہیں۔ یہ فوجی اڈے وہاں دوسری جنگِ عظیم کے زمانے سے قائم ہیں۔ اِن اڈوں کے قیام کا بنیادی مقصد روس اور چین پر نظر رکھنا، اُن پر دباؤ رکھنا ہے تاکہ سپر پاور کی حیثیت کو برقرار رکھنے میں خاطر خواہ حد تک مدد ملے۔

امریکی محکمۂ دفاع نے حال ہی میں جرمنی سے پانچ ہزار فوجیوں کو واپس بلانے کا اعلان کیا ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے یہ فیصلہ جرمن چانسلر فریڈرک مرز کی طرف سے غیر معمولی نکتہ چینی کے بعد کیا گیا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک جرمنی کے علاوہ برطانیہ اور اٹلی میں بھی امریکی فوجی اڈے یورپ کی سلامتی کے حوالے سے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے ہیں۔ جرمنی سے پانچ ہزار امریکی فوجیوں کو نکالنے کے امریکی فیصلے نے یورپی قائدین کو سلامتی یقینی بنانے کے حوالے سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اِس وقت یورپ کے لیے یہ تصور بھی سوہانِ روح ہے کہ امریکا اُس کے دفاع کی ذمہ داری سے خود کو الگ کرلے۔ یوکرین پر روس کی لشکر کشی کے بعد لازم ہو چکا ہے کہ امریکا اور یورپ ایک ہو رہیں مگر اس کی گنجائش میں کمی آ رہی ہے کیونکہ یورپ میں بہت سے ممالک امریکا کا ساتھ زیادہ نہیں چاہتے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے امریکا کی عسکری مہم جُوئی کے نام پر بہت کچھ جھیلا ہے۔

یورپ میں امریکی فوجی کمان اسٹٹ گارٹ میں اور یورپی و افریقی خطے کے لیے امریکی فوج کا مرکزی کمان سینٹر وِسباڈین میں ہے۔ جرمنی کی بوخیل ایئر بیس پر تعینات امریکی فوجی وہاں رکھے ہوئے ۱۰ سے ۲۰ ایٹم بموں (بی۔۶۱) کی نگرانی پر مامور ہیں۔ جرمنی میں مجموعی طور پر ۳۸ ہزار امریکی فوجی تعینات ہیں۔ علاوہ ازیں ہزاروں امریکی شہری، اُن کے اہلِ خانہ اور دیگر افراد بھی جرمنی میں مقیم ہیں۔ امریکا کی دسویں اسپیشل فورسز کے سپاہی اور افسران جرمنی میں یوکرین کے فوجیوں کو خصوصی مشن کے ذریعے بہتر طور پر لڑنے کی تربیت فراہم کرتے ہیں۔

اٹلی میں امریکا کے ۵ فوجی اڈے ہیں جن میں وینس سے ۸۰ کلومیٹر دور واقع ایویانا کا فوجی اڈا اہم ترین ہے۔ اٹلی میں کیمپ ڈاربی، ایڈریزل، سسلی میں سیگو نیلا اور نیپلز میں بھی امریکا کے فوجی اڈے ہیں۔ اٹلی میں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۱۵۴۰۰ ہے۔

برطانیہ اب تک امریکا کا سب سے دیرینہ اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی رہا ہے۔ اِسی لیے یورپ میں امریکا کے سب سے زیادہ فوجی اڈے برطانوی سرزمین پر ہیں۔ رائل ایئر فورس لیکنہیڈ پر امریکا نے ایف۔۳۵ لڑاکا طیارے کھڑے کر رکھے ہیں۔ فضائی حملوں اور دیگر سرگرمیوں کے لیے آر اے ایف ملڈنہول کا بروئے کار لایا جاتا ہے۔ آر اے ایف فیئر فورٹ پر امریکا نے بہت بڑے پیمانے پر بم برسانے والے بڑے لڑاکا طیارے تعینات کر رکھے ہیں۔ برطانوی سرزمین پر تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۱۱ ہزار ۶۰۰ ہے۔ کاؤنسل آن فارن ریلیشنز نے بتایا ہے کہ ۲۰۲۵ء کے اوائل میں یورپ میں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۸۴ ہزار تھی جن میں سے ۳۸ ہزار اٹلی میں تعینات تھے۔ یوکرین جنگ کے حوالے سے امریکا نے یورپ میں مزید فوجی بھیجے ہیں جس کے بعد اب وہاں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ جرمنی میں رامشٹائن کے مقام پر واقع امریکی فوجی اڈا اپنی سرزمین سے باہر اُس کا سب سے بڑا فوجی اڈا ہے جو ۳ ہزار ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔

پولینڈ میں امریکی فوجی اڈے ریڈ سیکو و و کیمپ، کوسی یُسکو اور لاسک ایئر بیس پر واقع ہیں جو یورپ کی سلامتی یقینی بنانے کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت کے حامل گردانے جاتے ہیں۔ لاسک ایئر بیس پر امریکی فوجی ایف۔۱۵ طیاروں کے ساتھ ہر وقت مکمل تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔ فروری ۲۰۲۲ء میں یوکرین پر روس کی لشکر کشی کے بعد سے اِس ایئر بیس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ امریکا نے کسی بھی اور ملک کے مقابلے میں یوکرین کی سب سے زیادہ مدد کی ہے۔ یوکرین کو امریکا نے ہتھیار بھی دیے ہیں، تکنیکی آلات بھی اور تکنیکی معاونت بھی۔ ترکی میں اِنجرلِک کے مقام پر واقع امریکی فوجی اڈا مشرقِ وسطیٰ اور بحیرۂ روم کے خطے کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں امریکی بحریہ کا ایک ایسا دستہ تعینات رہتا ہے جو امریکی فضائیہ اور دیگر مشن کے لیے غیر معمولی معاونت یقینی بنا سکتا ہے۔ امریکی فوجی پورے یورپ میں سلامتی کے لیے خطرہ بننے والی کسی بھی صورتِ حال کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ سیاسی اور سفارتی سطح پر اختلافات کے باوجود سلامتی کے معاملات پر امریکا اور یورپ اب تک ایک ہیں اور یورپ چاہتا ہے کہ اُس کی سلامتی یقینی بنانے کی ذمہ داری سے امریکا دست بردار نہ ہو۔

یورپ میں تعینات امریکی فوجیوں کو طویل المیعاد بنیاد پر کام کرنا پڑتا ہے۔ مشترکہ مشقوں کے لیے امریکا خصوصی فوجی دستے بھیجتا ہے جو ایک خاص، محدود مدت کے لیے تعینات کیے جاتے ہیں۔ کام پورا ہونے کے بعد یہ فوجی دستے واپس چلے جاتے ہیں۔ امریکی محکمۂ دفاع کے افرادی قوت مرکز برائے اعداد و شمار نے بتایا ہے کہ جون ۲۰۲۵ء تک (یورپ سمیت) دنیا بھر کے ۸۰ ممالک میں امریکا کے فوجی اڈوں اور دیگر اہم عسکری تنصیبات کی تعداد ۷۵۰ سے زائد تھی اور اِن تمام مقامات پر تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۲ لاکھ سے زائد تھی۔ یو ایس اے فیکٹس کی رپورٹ بتاتی ہے کہ اگر عراق، شام، یمن اور صومالیہ جیسے سرگرم لڑائی کے علاقے کہلائے جانے والے ممالک میں بھیجے گئے امریکی فوجیوں کو بھی شمار کیا جائے تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے امریکی فوجیوں کی تعداد ۲ لاکھ ۴۳ ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ مختلف رپورٹس کے مطابق جاپان میں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۵۰ ہزار تا ۵۷ ہزار ہے۔ جنوبی کوریا میں تعینات ۲۶۷۰۰ امریکی فوجی شمالی کوریا پر نظر رکھتے ہیں۔ جنوبی امریکا میں کیوبا کے مغربی

کنارے پر واقع گوانتاناموبے کے فوجی اڈے پر تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ۱۸۸۸ ہے۔ سعودی عرب، بحرین، قطر، یو اے ای، عمان اور عراق میں مجموعی طور پر ۳۰ سے ۴۰ ہزار امریکی فوجی تعینات ہیں۔ قطر کے دارالحکومت دوحہ میں واقع العدُ ید ایئربیس اِس خطے میں امریکا کا سب سے بڑا فوجی اڈا ہے۔ ایران نے حال ہی میں امریکا اور اسرائیل کے ساتھ ۴۰ دن جاری رہنے والی جنگ میں امریکا کے اِن فوجی اڈوں کو نشانہ بنا کر ایک دنیا کو حیران کردیا تھا۔ ایران نے صرف ڈرونز اور میزائلز کے ذریعے امریکا اور اسرائیل کا سامنا کر کے دنیا کو جنگ کا ایک نیا پہلو دکھایا۔

۱۰؍ ایکڑ سے زائد رقبے پر قائم فوجی اڈوں کو بڑے اڈے شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے ہر فوجی اڈے پر امریکا کے کم و بیش ۲۰۰ فوجی تعینات ہوتے ہیں۔ ایسے میں لوگ یہ ضرور سوچتے ہیں کہ امریکا دنیا بھر میں اپنے فوجی اڈوں کا نظم و نسق کس طور کرتا ہے، فوجیوں کی تعیناتی کس طور ہوتی ہے، اُن کا خیال کس طور رکھا جاتا ہے اور اُن پر نظر کس طرح رکھی جاتی ہے۔ ایران سے ہونے والی لڑائی کے بعد سے دنیا اِس طرف زیادہ متوجہ ہوئی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک یورپ بھر میں امریکی فوجی اڈے قائم رہے ہیں اور اُن پر بڑی تعداد میں فوجی بھی تعینات رہے ہیں۔ یورپ میں امریکی فوجی اڈے مشرق (روس) کی طرف سے ابھرنے والے کسی بھی خطرے کو رفع کرنے والے انتظام کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ فوجی اڈے دنیا کے سب سے بڑے عسکری اتحاد ''نیٹو'' (معاہدۂ شمالی بحرِ اوقیانوس کی تنظیم) کے لیے سب سے بڑے سہارے کا درجہ رکھتے ہیں۔ اِن اڈوں کے ذریعے نیٹو کو یورپ کی سلامتی یقینی بنانے میں غیر معمولی مدد ملتی ہے۔ امریکا کے دیگر فوجی اڈے روس اور چین کے نزدیک ہیں کیونکہ یہ دونوں ہی امریکا کی بالادستی کے لیے حقیقی خطرے کا درجہ رکھتے ہیں۔ اِن پر نظر رکھنا امریکا کی مجبوری ہے کیونکہ ایسا کرنا سلامتی یقینی بنائے رکھنے کے لیے ناگزیر ہے۔ یورپ میں تعینات امریکی فوجی روس کو اور جنوبی کوریا میں تعینات امریکی فوجی شمالی کوریا کو ایک خاص حد تک رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اِس لیے ناگزیر ہے کہ امریکا محض واحد سپر پاور ہی نہیں ہے بلکہ وہ خود کو انٹرنیشنل پولیس مین بھی سمجھتا ہے اور جہاں تہاں مداخلت کرتا پھرتا ہے۔

امریکا کے لیے اب ناگزیر ہو چکا ہے کہ جن ملکوں سے بھی ذرا سا خطرہ محسوس ہو، اُن کے خلاف کھڑا ہو، ڈٹ جائے۔ واحد سپر پاور کی حیثیت برقرار رکھنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں اور سستا بھی نہیں۔ امریکا کو اپنے عسکری یا تزویراتی مفادات کی تکمیل کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، بہت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ عسکری مہم جُوئی بھی اِسی ذیل میں آتی ہے۔ فوجی اڈوں اور عسکری موجودگی کے دیگر مظاہر کے ذریعے امریکا اپنی بالادستی برقرار رکھنے میں کامیاب رہا ہے۔ اُس کی عسکری موجودگی حریفوں کے لیے خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے اور اِس بات کا اشارا بھی کہ اُنہیں دور رہنا چاہیے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک امریکا نے جاپان اور جنوبی کوریا کی سلامتی کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ جاپان سے اُس نے ۱۹۶۰ء میں دفاعی تعاون کا معاہدہ کیا تھا۔ جنوبی کوریا کا بھی یہی معاملہ رہا ہے۔ جب امریکا کسی بھی ملک کی سلامتی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو اُس سے بہت کچھ چاہتا بھی ہے۔ سیاسی اور سفارتی سطح پر اِس طور امریکا اپنا وزن بڑھتا رہتا ہے۔ سلامتی یقینی بنانے کے وعدے یا عہد کی بنیاد پر امریکا نے کئی خطوں میں فوجی اتارے ہیں اور اڈے بھی قائم کیے ہیں۔

مختلف خطوں میں قائم فوجی اڈوں کے ذریعے امریکا نے عالمی سطح پر اپنی پوزیشن بہت مضبوط بنائی ہے۔ بہت سے ممالک اِس بات سے خوش رہتے ہیں کہ اُن کی سرزمین پر یا اُس کے نزدیک امریکی فوجی اڈے ہیں جبکہ دوسرے بہت سے ملک امریکی فوجی اڈوں سے خائف ہو کر کچھ بھی اُلٹا سیدھا کرنے سے مجتنب رہتے ہیں۔ امریکی فوجی اڈے بحری تجارت کے مرکزی راستوں کی سلامتی یقینی بناتے ہیں۔ خام تیل کی سپلائی بلا رکاوٹ جاری رہے یہ بھی امریکی فوجی اڈوں کی موجودگی کے ذریعے ہی ممکن ہو پائی ہے۔ امریکا دنیا بھر کے تجارتی جہازوں کو محفوظ گزرگاہ فراہم کرتا ہے اور اِس کے عوض اُسے بہت کچھ حاصل بھی ہوتا ہے۔ خام تیل کی نصف رسد مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سے آتی ہے اور نصف بین الاقوامی تجارت بحرِ ہند اور بحرالکاہل کے خطے کے ذریعے ہوتی ہے۔ اِن دونوں سمندروں میں تجارتی جہاز رانی کو محفوظ بنانے میں امریکا نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

امریکا دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے فوجی اڈوں اور دیگر عسکری تنصیبات پر سالانہ ۱۰؍ارب ڈالر خرچ کرتا ہے۔ یہ رقم اُس کے دفاعی بجٹ کے ۲ فیصد کے مساوی ہے۔ اِن ۱۰؍ارب ڈالر میں سے ۷؍ارب ڈالر یورپ، جاپان اور جنوبی کوریا میں قائم فوجی اڈوں پر خرچ ہوتے ہیں۔ اِس سلسلے میں متعلقہ ممالک بھی مدد کرتے ہیں۔ امریکی احتساب دفتر کے مطابق ۲۰۱۶ء سے ۲۰۱۹ء کے دوران امریکی فوجی اڈوں کے نظم و نسق پر جاپان نے ۱۲؍ارب ۶۰ کروڑ ڈالر اور جنوبی کوریا نے ۵؍ارب ۷۰ کروڑ ڈالر خرچ کیے۔ جاپان امریکی فوجی اڈوں کا ۵۰ فیصد اور جنوبی کوریا ۴۱ فیصد خرچ برداشت کرتا ہے۔ یورپ، ایشیا اور چھوٹے چھوٹے جزائر پر امریکی فوجی اڈوں کا قیام امریکا کی مستقل پالیسی کا حصہ ہے۔ پہلے یوکرین اور اب ایران جنگ کے نتیجے میں امریکا اور یورپ کے تعلقات میں غیر معمولی بگاڑ پیدا ہوا ہے اور نیٹو کے حوالے سے بھی سوال اُٹھ رہے ہیں۔ نیٹو نے خود کو ایران سے امریکا و اسرائیل کی جنگ سے دور رکھا ہے۔ امریکا چاہتا تھا کہ ایران کی جانب سے آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی ختم کروانے کے لیے نیٹو فورسز آگے بڑھیں اور امریکا کی مدد کریں مگر ایسا نہیں ہوا۔ نیٹو نے اِس معاملے میں خاطر خواہ دلچسپی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جرمنی سے پانچ ہزار امریکی فوجیوں کو نکالنے کے فیصلے کو صدر ٹرمپ کی یورپ سے ناراضی کے تناظر میں دیکھا جارہا ہے۔ امریکا میں بہت سے ری پبلکن لیڈرز نے خبردار کیا ہے کہ یورپ سے امریکی فوجیوں کو نکالنا روس کے صدر ولادیمیر پوٹن کے لیے بہت خوش کُن پیغام ہوگا۔ اب اِس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ آنے والا وقت امریکا اور یورپ کے تعلقات کی نوعیت تبدیل کرے گا اور وہ بھی فیصلہ کُن حد تک۔

(مترجم: ابوصباحت)

(بحوالہ: ''گجرات سماچار'' احمد آباد، بھارت۔ ۱۳؍مئی ۲۰۲۶ء)

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی کی تازہ پیشکش

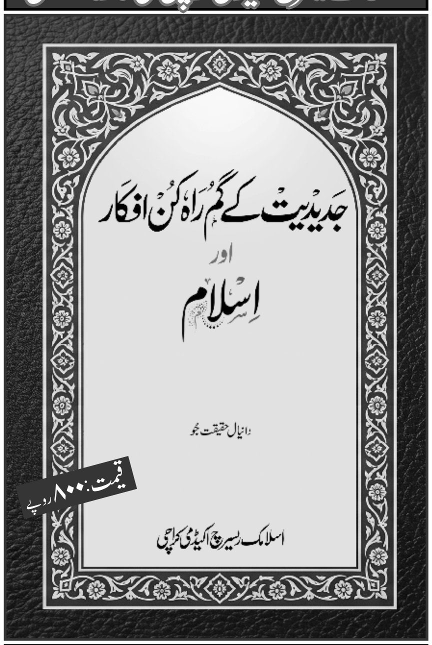

اکیڈمی بک سینٹر۔ فون: 021-36368020

مودی مات کھا گئے

سیف خالد

پاکستان خود کو سفارتی معاملات میں ایک انتہائی پسندیدہ مقام پر دیکھ رہا ہے۔ بھارت کی غیر معمولی کوششوں کے باوجود عالمی سفارت کاری کے منظر پر پاکستان بہت نمایاں ہے اور یہ سب کچھ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ، چین اور مشرقِ وسطیٰ کی مہربانی سے ہوا ہے۔ پاکستان کی سفارتی نمو کی شرح کے بڑھنے میں بھارتی قیادت کی چند خامیوں اور خرابیوں کا بھی ہاتھ ہے۔ بھارت کے وزیرِ اعظم نریندر مودی نے چند ایک ایسے اقدامات کیے جن کے نتیجے میں پاکستان کے لیے خود کو منوانے کی گنجائش پیدا ہوئی۔

بھارت کے وزیرِ اعظم نریندر مودی نے ایک عشرہ قبل پاکستان کے قائدین کو پہلی بار براہِ راست چیلنج کیا۔ بھارت کی جنوبی ریاست کیرالا میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے پاکستان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ’’بھارت تمہیں الگ تھلگ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ ہم اس حوالے سے اپنی کوششیں مزید تیز کریں گے اور اُن کا حجم بھی بڑھائیں گے۔ ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ تم دنیا بھر میں بالکل تنہا رہ جاؤ۔‘‘

یہ ۱۶ر ستمبر ۲۰۱۶ء کی بات ہے۔ نریندر مودی مقبوضہ کشمیر میں کچھ دن قبل کیے گئے ایک مسلح حملے کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ اس حملے میں ۱۸ر بھارتی فوجی ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ’’پاکستان کے قائدین سُن لیں ہمارے ۱۸ر سپاہیوں کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔‘‘

نریندر مودی نے جس عزم کا اظہار کیا، وہ ایک عشرے پرانا ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ پاکستان عالمی برادری میں سفارتی سطح پر الگ تھلگ ہونے کی منزل سے بہت دور ہے۔ وہ اس وقت چین کا سب سے بڑا اتحادی ہے۔ پاکستان کے وزیرِ اعظم محمد شہباز شریف نے حال ہی میں چین کا دورہ کیا ہے اور دوسری طرف پاکستانی قیادت امریکا کا اعتماد جیتنے میں بھی کامیاب رہی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے دوسرے عہدِ صدارت میں امریکی قیادت پاکستان کے بہت قریب آگئی ہے۔

ایک سال کے دوران پاکستان کے آرمی چیف عاصم منیر اور وزیرِ اعظم محمد شہباز شریف نے امریکی ایوانِ صدر کا دورہ کیا ہے۔ امریکا اور ایران کے درمیان پاکستان نے مرکزی مصالحت کار اور مذاکرات میں سہولت کار کا کردار عمدگی سے ادا کیا ہے۔ پاکستان کی مساعی سے دونوں ممالک قریب آئے ہیں اور اب جنگ بندی کا باضابطہ معاہدہ ہوا چاہتا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے متعدد مواقع پر پاکستان کی قیادت کو سراہا ہے۔

سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پاکستانی قیادت اب تک تو امریکا اور دیگر قوتوں کی توجہ پانے میں بہت حد تک کامیاب رہی ہے۔ علاقائی اور عالمی حالات کے تناظر میں پاکستانی قیادت نے سنہرے مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور علاقائی و عالمی معاملات میں اُس کی کامیابی نمایاں رہی ہے۔ وہ عالمی اور علاقائی، دونوں ہی سطح کی طاقتوں اور اسٹریٹجک بساط کے بڑے مہروں کے ساتھ چلنے میں کامیاب رہی ہے۔ دوسری طرف سیاسی تجزیہ کار یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان کی بھرپور سفارتی کامیابیاں یقینی بنانے میں پاکستانی قیادت کی کوششوں کے ساتھ ساتھ بھارتی قیادت کی اغلاط نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

امریکا کے معروف تھنک ٹینک دی اٹلانٹک کاؤنسل میں جنوبی ایشیا کے امور کے سینئر فیلو مائیکل کوگلمین کا کہنا ہے کہ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کو علاقائی اور عالمی سطح پر تنہا کرنے سے متعلق بھارت کی تمام کوششیں بہت حد تک بیک فائر کرگئی ہیں۔ نریندر مودی کے بہت سے اقدامات اُن کے لیے پورس کے ہاتھی ثابت ہوئے ہیں۔

جنگ بندی اور نوبیل کی نامزدگی

۱۰ر مئی ۲۰۲۵ء کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اعلان کیا کہ انہوں نے ایٹمی ہتھیاروں کی حامل ریاستوں بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ کرانے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ سوشل میڈیا پلیٹ فارم ٹروتھ سوشل پر ایک پوسٹ میں لکھا کہ قابلِ رشک مساعی کے بعد امریکا کے صدر کی حیثیت سے یہ اعلان کرتے ہوئے مجھے غیر معمولی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ بھارت اور پاکستان فوری اور مکمل جنگ بندی پر رضامند ہوگئے ہیں۔

اِس کے فوراً پاکستان کے وزیرِ اعظم محمد شہباز شریف نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے بیلسٹک میزائل، جیٹ طیاروں اور ڈرونز کی مدد سے ہونے والی چار روزہ لڑائی کو رکوانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ گزشتہ برس پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والی معرکہ آرائی کئی عشروں کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان سب سے بُری لڑائی تھی۔ سرحدوں پر افواج کا اجتماع تھا۔ دونوں طرف درجنوں ہلاکتیں ہوئیں۔

یہ مسلح تصادم اُس وقت شروع ہوا جب بھارتی فوج نے پاکستان میں بعض مقامات کو دہشت گردی کی مراکز قرار دے کر اُن پر بمباری کی۔ اس سے قبل مقبوضہ کشمیر میں نامعلوم مسلح افراد نے ۲۶ ملکی و غیر ملکی سیاحوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

بھارت کے وزیرِ اعظم نریندر مودی اُس وقت امریکی گڈ بک میں تھے۔ صدر ٹرمپ سے اُن کے ذاتی تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ انہوں نے چند ماہ قبل ہی امریکی ایوانِ صدر کے اوول آفس میں صدر ٹرمپ سے ملاقات کی تھی۔ جنگ بندی کے پاک بھارت معاہدے کے حوالے سے نریندر مودی نے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔ ہاں، بھارت کے سیکرٹری خارجہ نے جنگ بندی کے معاہدے کی تصدیق کی۔

کچھ ہی دن بعد امریکی صدر نے دونوں ملکوں کو کشمیر کے مسئلہ پر بھی تصفیہ کرانے کی پیشکش کی۔ اس حوالے سے معاملات آگے نہ بڑھ پائے۔ ٹرمپ اپنے آپ کو امن کے مصالحت کار کے طور پر پیش کر رہے تھے اور بھارت کو یہ بات کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔ معاملہ یہ ہے کہ بھارتی قیادت عشروں سے یہ کہتی آئی ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جتنے بھی متنازع معاملات ہیں، وہ سراسر دوطرفہ نوعیت کے ہیں اور کسی تیسرے فریق کے کسی کردار کی کوئی گنجائش نہیں۔ خیر، ایسا بھی نہیں ہے کہ بھارت نے کبھی نام نہاد دوطرفہ معاملات کو نپٹانے سے متعلق کسی کی مصالحت قبول نہیں کی۔ ۱۹۹۹ء میں کارگل کی جنگ ختم کرانے میں اُس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

جون میں جب نریندر مودی کینیڈا جا رہے تھے تب صدر ٹرمپ نے اُن سے کہا کہ واشنگٹن ہوتے ہوئے جائیں۔ مودی نے یہ پیشکش ٹھکرادی۔ انہوں نے ٹیلی فون پر گفتگو میں امریکی صدر سے کہا کہ نئی دہلی تیسرے فریق کی ثالثی یا مصالحت کاری قبول نہیں کرے گا اور یہ بھی کہ مئی میں ہونے والا جنگ بندی کا معاہدہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا نتیجہ تھا نہ کہ کسی کی ثالثی کا۔

خیر، مئی میں جو کچھ ہوا تھا، اُس کے حوالے سے فریقین کے دعوے کئی ماہ تک جاری رہے۔ جنگ بندی کے معاہدے

سے متعلق بھی طرح طرح کے دعوے سامنے آتے رہے۔ تب سے اب تک امریکی صدر نے کم و بیش ۳۰ مواقع پر دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ اُنہوں نے کرایا تھا۔ انہوں نے بار ہا یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسی ایٹمی جنگ ٹالی جس میں لاکھوں ہلاکتیں ہوسکتی تھیں۔ امریکی صدر نے یہ بھی کہا کہ لڑائی کے پہلے دن بھارت کے جیٹ طیارے مار گرائے تھے۔ یہ گویا پاکستان کے اس بیانیے کی تصدیق تھی کہ اُس نے بھارت کے سات طیارے مار گرائے تھے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ نئی دہلی عالمی برادری کو اس بات کا یقین دلانے میں بھی ناکام رہا کہ مئی ۲۰۲۵ء میں جو کچھ ہوا، اُس میں پاکستان کا کردار نمایاں تھا یعنی لڑائی اُس نے شروع کی تھی۔ مائیکل کوگلمین کہتے ہیں ''دنیا نے پیچھے ہٹ کر حملوں کے لیے بھارت کی پیٹھ تھپتھپانے سے گریز کیا۔ بڑے ممالک نے محسوس کیا کہ مقبوضہ کشمیر کے علاقے پہلگام میں سیاحوں کی ہلاکت میں پاکستان کا ہاتھ یا کردار ثابت کرنے کے لیے بھارت نے کوئی بھی قابلِ قبول یا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم نہیں کیا۔ پاکستان بیانیوں کی عالمی جنگ جیت گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اس معرکہ آرائی کے دوران پورے حواس میں رہا اور کئی بھارتی جیٹ طیارے مار گرائے۔ اِس کارنامے کی بدولت پاکستان نے ایک دنیا کی توجہ حاصل کی۔ اور اُس پر متوجہ ہونے والوں میں امریکی ایوانِ صدر بھی شامل تھا۔''

ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ بھارت اپنے طیاروں کے مار گرائے جانے سے متعلق بیانیے پر کم و بیش تین ہفتوں تک خاموش رہا۔ اِس سے دنیا یہ اندازہ لگانے میں بھرپور مدد ملی کہ پاکستان نے جو کچھ کہا ہے، وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ بعد میں بھارت کے ایک جنرل نے تسلیم کیا کہ پاکستان نے بھارت کے کئی لڑاکا طیارے مار گرائے تھے۔ ہاں، تعداد کی بھارت نے اب تک تصدیق نہیں کی۔

گزشتہ برس کی معرکہ آرائی سے متعلق امور نے بھارتی وزیرِاعظم نریندر مودی کی پوزیشن نازک کردی۔ نریندر مودی نے پاک بھارت جنگ بندی کا کریڈٹ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو دینے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں بھارت اور امریکا کے تعلقات میں تھوڑی سی سرد مہری اور تلخی در آئی۔

دوسری طرف پاکستان نے بھارت سے جنگ بندی کے معاہدے سے متعلق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی کوششوں کو سراہنے میں ذرا دیر نہ لگائی اور اُنہیں امن کے نوبیل انعام کے لیے نامزد بھی کیا۔ خود ٹرمپ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ اس انعام کے مستحق ہیں۔

ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی پہلی مدتِ صدارت کے دوران پاکستان پر دروغ گوئی اور فریب کاری کا الزام عائد کیا تھا۔ اب وہ پاکستان کو سراہنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ پاکستان کے آرمی چیف کی بھی خوب ستائش کر رہے ہیں۔

بھارتی قیادت کے لیے اضافی اذیت یہ ہوئی کہ صدر ٹرمپ نے فیلڈ مارشل عاصم منیر کو امریکی ایوانِ صدر میں ظہرانے پر مدعو کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی امریکی صدر نے ایسے پاکستانی آرمی چیف کی میزبانی کی جو سربراہِ مملکت نہ تھا۔ عاصم منیر کو ٹرمپ نے اپنا فیورٹ فیلڈ مارشل اور غیر معمولی انسان قرار دیا ہے۔ یہ ساری باتیں بھارتی قیادت کے بہت بڑا جھٹکا تھیں جو پاکستانی آرمی چیف کو بھارت کے خلاف دہشت گردی کا معمار قرار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔

مذاکرات سے انکار

بھارت نے ایک زمانے سے یہ راگ الاپنے کا سلسلہ جاری رکھا ہے کہ جب تک دہشت گردی ختم نہیں ہوتی تب تک پاکستان سے مذاکرات نہیں کیے جاسکتے۔ بھارتی قیادت نے پاکستان کے حوالے سے اسٹریٹجک معاملات میں تحمل کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔ بھارت نے اپنی معیشت ۱۹۹۰ء کے عشرے میں کھولی تھی جب من موہن سنگھ بھارت کے وزیرِاعظم تھے۔ تب بھارت نے خود کو احساسِ ذمہ داری کی حامل ایسی طاقت قرار دیا جو صرف معاشی قوت کی بنیاد پر آگے بڑھنے کو ترجیح دیتی ہے۔ بھارت نے سفارت اور اپنی بڑھتی ہوئی معاشی قوت کو پاکستان کے خلاف دباؤ پیدا کرنے کے لیے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ بھارتی قیادت یہ بات بہت زور دے کر کہنے لگی کہ وہ ایٹمی قوت کی حامل ریاستوں کے درمیان جنگ کو ہر حال میں ٹالنا چاہتی ہے۔

یہی وہ بیانیہ تھا جس نے نومبر ۲۰۰۸ء میں ممبئی پر کیے جانے والے حملوں کے باوجود بھارت کو پاکستان پر حملہ کرنے یا جنگ شروع کرنے سے روکا۔ تب بھارت میں کانگریس کی حکومت تھی۔ تب بھارتیہ جنتا پارٹی اپوزیشن میں تھی، اُس نے کانگریس کی حکومت کو شدید نکتہ چینی سے نشانہ بنانے سے ذرا بھی گریز نہیں کیا۔

جب بھارتیہ جنتا پارٹی نے حکومت بنائی تو وزیرِاعظم نریندر مودی نے ابتدا میں پاکستان سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی حلف برداری کی تقریب میں پاکستان کے وزیرِاعظم محمد نواز شریف کو مدعو کیا اور پھر نواز شریف کی نواسی کی شادی میں شریک ہونے کے لیے لاہور بھی گئے۔

جب بھارت میں بڑی دہشت گردی کے چند واقعات ہوئے تو نئی دہلی نے اپنی اپروچ تبدیل کیا۔ اِس کے بعد نریندر مودی نے پاکستان کو سیاسی اور سفارتی طور پر الگ تھلگ کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ تب مودی سرکار نے کُھل کر کہنا شروع کیا کہ دہشت گردی اور بات چیت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔

تب تک بھارتی فوج ضبط و تحمل کی راہ پر گامزن تھی۔ پھر یہ ہوا کہ مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کے چند واقعات کو بنیاد بنا کر بھارتی فوج نے پاکستان کے خلاف کارروائیاں شروع کیں۔ ۲۰۱۶ء کے بعد بھارتی فوج نے پاکستان کی حدود میں حملوں کو ترجیح دی۔ بھارت کا بنیادی الزام یہ تھا کہ آزاد کشمیر میں دہشت گردی کی تربیت دینے والے کیمپ ہیں جن میں تربیت پانے والے مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کرتے ہیں۔

۲۰۱۹ء میں مقبوضہ کشمیر کے علاقے پلواما میں نامعلوم مسلح افراد کے ایک بڑے حملے میں ۴۰ بھارتی فوجیوں کی ہلاکت کے بعد بھارتی لڑاکا طیاروں نے پاکستان کے علاقے بالا کوٹ میں بمباری کی۔

کئی سال تک پاکستان کے خلاف بھارت کا سخت مؤقف کام کرتا دکھائی دیا۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے پہلے عہدِ صدارت کے دوران مجموعی کیفیت یہی تھی۔ جو بائیڈن کے عہدِ صدارت میں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ رہا۔ تب نریندر مودی نے کئی بار امریکا کا دورہ کیا۔ ٹرمپ اور جو بائیڈن نے بھی بھارت کا دورہ کیا اور اس معاملے میں پاکستان کو یکسر نظرانداز کیا۔

گزشتہ برس جو کچھ ہوا اُس نے معاملات کو یکسر تبدیل کردیا ہے۔ کم و بیش دو عشروں کے دوران بھارت اور امریکا کے تعلقات قدرے خوش گوار رہے۔ جب صدر ٹرمپ نے ٹیرف کی جنگ شروع کی تو معاملات خراب ہونے لگے، تعلقات میں کشیدگی در آئی۔ امریکا نے بھارت کے مالِ تجارت پر سب سے زیادہ لیوی لگائی۔ بھارتی قیادت سے یہ بات ہضم نہ ہو پائی۔

بھارت اور امریکا کے درمیان ٹیرف کے حوالے سے بات چیت ہوئی ہے اور ٹیرف میں کمی بھی آئی تاہم اب بھی کشیدگی برقرار رہی ہے۔ بھارتی قیادت کو امریکا کی فیورٹ کا درجہ حاصل تھا۔ وہ درجہ بحال نہیں ہو سکا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ امریکا کو بھارت سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی فکر لاحق نہیں۔ امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو نے حال ہی میں بھارت کا دورہ کیا ہے اور دہلی میں امریکی سفارت خانے میں امریکی آزادی کی ڈھائی صدیوں کے جشن میں شرکت کی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے بھی کہا ہے کہ وہ بھارت سے اور مودی سے پیار کرتے ہیں۔ خیر، یہ سب کچھ اپنی جگہ اور امریکی بیوروکریسی کی طرف سے بھارت پر دباؤ برقرار رکھنے کی پالیسی اپنی جگہ۔ ٹرمپ انتظامیہ چاہتی ہے کہ بھارت پر دباؤ بنا رہے تاکہ وہ کوئی بھی ایسا ویسا اقدام کرنے سے قبل کچھ سوچے، ممکنہ عواقب پر غور کرے۔

۲۳ مئی کو مارکو روبیو نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر لکھا کہ بھارت نے پانچ سال کی مدت میں امریکا سے مجموعی طور پر ۵۰۰ ارب ڈالر کی اشیا و خدمات خریدنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ یاد رہے کہ بھارت کے زرِ مبادلہ کے ذخائر میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مارکو روبیو نے بھارت کے خلاف عائد کیے جانے والے ٹیرف کو درست قرار دیا۔ انہوں نے اس معاملے میں تجارتی عدم توازن کا حوالہ دیا تھا۔ امریکا کو شکایت ہے کہ بھارت اُس سے مال خریدتا کم ہے اور بیچتا زیادہ ہے۔

جب صحافیوں نے پوچھا کہ بھارت اور امریکا کے تعلقات پر پاک امریکا تعلقات کا کچھ اثر تو مرتب نہیں ہوا تو مارکو روبیو نے کہا کہ کسی بھی ملک سے امریکا کے تعلقات کا کسی بھی دوسرے ملک سے امریکا کے تعلقات کا کچھ لینا دینا نہیں۔

بھارت نے پاکستان کو سفارتی سطح پر الگ تھلگ کرنے کی کوششیں کی ہیں، اُن کے نتیجے میں علاقائی سطح پر بھی بھارت کے لیے مسائل پیدا کیے ہیں۔ علاقائی ممالک کے حوالے سے بھارتی خارجہ پالیسی کمزور پڑی ہے۔ دوسری طرف پاکستان کی پوزیشن بہتر ہوئی ہے۔ علاقائی ممالک کا جھکاؤ پاکستان کی طرف بڑھا ہے۔

دھچکے اور تبدیلیاں

نریندر مودی نے جب ۲۰۱۴ء میں وزیرِ اعظم کے منصب کا حلف اٹھایا تھا تب انہوں نے جنوبی ایشیا کے بیشتر قائدین کو تقریبِ حلف برداری میں مدعو کیا تھا۔ انہوں نے اس موقع پر کہا تھا کہ بھارت تعلقات بہتر بنائے رکھنے کے معاملے میں پڑوسیوں کو اولین ترجیح دے گا۔

۲۰۱۶ء میں جب مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجی مارے گئے تو مودی سرکار نے اسلام آباد میں منعقد ہونے والی سارک سربراہ کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ بھارت کی طرف سے شرکت نہ کرنے کے اعلان پر سارک سربراہ کانفرنس منسوخ کر دی گئی۔ تب سے اب تک جنوبی ایشیائی تعاون کی تنظیم کا کوئی اجلاس نہیں ہوسکا ہے۔ اِس کے مقابلے میں بھارت نے جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کی تنظیم BIMSTEC کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان اس تنظیم کا رکن نہیں۔ یہ تنظیم بھرپور قوت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاہم اب تک قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کر پائی ہے۔

اسلام آباد کی قائدِ اعظم یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ایمیریٹس اشتیاق احمد کا کہنا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو سفارتی سطح پر الگ تھلگ کرنے کی اپنی کوشش میں خاصے موثر طور پر سارک کو چھوڑ دیا ہے۔

اِس دوران بنگلا دیش سے پاکستان کے تعلقات ڈرامائی طور پر بہتر ہوئے ہیں۔ شیخ حسینہ واجد کی حکومت کے خاتمے کے بعد پاکستان اور بنگلا دیش اِس طور قریب آئے ہیں کہ بھارت پریشان ہو اُٹھا ہے۔

پاکستان اور چین کے تعلقات بہت اچھے رہے ہیں۔ دونوں مختلف شعبوں میں غیر معمولی نوعیت کے تعاون اور اشتراکِ عمل کے حامل رہے ہیں۔ گزشتہ برس پاکستانی فوج کے ہاتھوں بھارت کے ۷ طیارے گرائے جانے کے بعد سے پاک چین تعلقات مزید خوش گوار ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ بھارت کے خلاف اِس معرکہ آرائی میں پاکستان نے چین کا میزائل ڈیفنس سسٹم اور چین کے تعاون سے تیار کیے جانے والے لڑاکا طیارے استعمال کیے تھے۔ چینی صدر شی جن پنگ بارہا کہہ چکے ہیں کہ پاکستان سے اُن کے ملک کے تعلقات غیر معمولی نوعیت کے ہیں اور دونوں ممالک مختلف شعبوں میں اشتراکِ عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بھارت نے سارک کو عملاً ترک کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسٹریٹجک معاملات میں خود مختاری کی راہ پر بھی گامزن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام علاقائی اور عالمی قوتوں کے ساتھ مل کر کام کرے تاہم کسی بھی تنازع میں نہ اُلجھے۔ اس حوالے سے وہ انتہائی محتاط طرزِ فکر و عمل کا مظاہرہ کرتا آیا ہے۔

بھارت ایک زمانے تک ناوابستہ ممالک کی تنظیم NAM کا روحِ رواں رہا۔ یہ ۱۲۰ ملکوں کا گروپ تھا جنہوں نے امریکا یا سوویت یونین میں سے کسی کے ساتھ بھی وابستہ نہ رہنے کو ترجیح دی تھی۔ اقتصادی پابندیوں کے معاملے میں بھارت نے اقوامِ متحدہ کا ساتھ دینے کو ترجیح دی تھی۔

برسلز میں قائم انٹرنیشنل کرائسز گروپ کے سینئر تجزیہ کار پروین ڈونتھی کہتے ہیں ''ایک عشرے کے دوران بھارت کی معاشی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اِس کے نتیجے میں وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ عالمی سطح پر تیزی سے ابھرا ہے۔ اُس نے پُرانی متوازن اور ناوابستگی کی پالیسی ترک کر دی ہے۔ اب اُس نے خاص کاروباری سوچ اپنائی ہوئی ہے یعنی کچھ دو اور کچھ لو کی ذہنیت کے ساتھ کام کر رہا ہے۔''

نریندر مودی کی آمد سے قبل من موہن سنگھ کی وزارتِ عظمٰی کے دور ہی میں بھارت نے اپنی پالیسی میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیوں کی راہ ہموار کر دی تھی۔ ۲۰۱۳ء میں اُس وقت کے امریکی صدر براک اوباما نے ایران پر دباؤ بڑھانے کے لیے بہت سے ملکوں پر زور دیا کہ وہ ایران سے خام تیل نہ خریدیں۔ تب بھارت نے بھی ایران سے خام تیل کی خریداری کم کرنے کو ترجیح دی مگر جب صدر ٹرمپ نے ۲۰۱۸ء میں ایران پر دباؤ بڑھانے کی غرض سے اُس پر اقتصادی پابندیاں عائد کیں تو مودی سرکار نے ایران سے خام تیل بالکل نہ خریدنے کی پالیسی اپنائی۔ نریندر مودی امریکا سے زیادہ قریب ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے۔

بھارت کا معروف روزنامہ 'دی ہندو' کی ڈپلومیٹک ایڈیٹر سُہاسنی حیدر کہتی ہیں ''کسی بھی ملک پر امریکا کی جانب سے عائد کی جانے والی اقتصادی پابندیوں سے بھارت کو صرف معاشی نوعیت کے خسارے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ کسی ایک یا چند ممالک کی طرف جھکنے کی صورت میں اُس کی خارجہ پالیسی بھی متاثر ہوتی ہے۔ اِس سے اسٹریٹجک خود مختاری کے بھارتی قیادت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا مزید مشکل ہو جاتا ہے۔''

اسرائیل اور اسلاموفوبیا

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ بھارت نے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان پائے جانے والے تنازع کے حوالے سے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں بھارت پہلا غیر عرب ملک تھا جس نے تنظیم آزادیٔ فلسطین کو فلسطینی عوام کے نمائندے کی حیثیت سے قبول کیا۔ ۱۹۸۸ء میں بھارت فلسطینیوں کا حقِ ریاست تسلیم کرنے والے ابتدائی ممالک میں سے تھا۔

بھارت نے اسرائیل سے سفارتی تعلقات ۱۹۹۲ء میں قائم کیے۔ اِس سے بہت پہلے وہ سلامتی اور دفاع کے معاملات میں اسرائیل سے ڈھکے چھپے انداز سے اشتراکِ عمل

کا حامل ہو چکا تھا۔ سرد جنگ کے ختم ہونے کے بعد دو عشروں کے دوران بھارت نے اسرائیل سے تعلقات خاصی سُست رفتاری سے بہتر بنائے۔ اِس دوران وہ فلسطینیوں سے بھی خاصے متوازن انداز سے اظہارِ یکجہتی کرتا رہا۔

نریندر مودی کی قیادت میں بھارت اب اسرائیل کے قریب ترین اتحادیوں میں سے ہے۔ اسرائیل سے سب سے زیادہ اسلحہ خریدنے والا ملک اِس وقت بھارت ہے۔ اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کی مذمت میں پیش کی جانے والی قراردادوں کی حمایت سے گریز کرتا رہا ہے۔ گزشتہ ماہ برازیل، روس، بھارت، چین اور جنوبی افریقا پر مشتمل اتحاد BRICS کے اعلامیے کی تیاری کے دوران نریندر مودی نے اسرائیل فلسطین تنازع پر زبان تبدیل کرانے کی کوشش کی۔ یہ گویا دو ریاستوں کے اُصولی موقف سے دست بردار ہونے کا اشارہ تھا۔ نریندر مودی نے غزہ میں فلسطینیوں کے انتہائی بہیمانہ قتلِ عام کی ایک بار بھی مذمت نہیں کی ہے۔

نریندر مودی نے حال ہی میں ایک اور انتہائی علامتی اقدام کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عرب اسرائیل تنازع کے حوالے سے بھارتی خارجہ پالیسی کو پوری طرح اسرائیل کی طرف جھکا چکے ہیں۔ ایران پر اسرائیل اور امریکا کے مشترکہ حملے سے صرف دو دن قبل مودی نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ بھارت کی اپوزیشن جماعتوں نے نریندر مودی کے دورۂ اسرائیل کو بالکل بے وقت قرار دیا اور کہا کہ اِس سے یہ پیغام گیا ہے کہ علاقائی تنازع میں بھارتی قیادت اسرائیل کے ساتھ کھڑی رہی اور عرب دنیا کو ایک طرف ہٹا چکی ہے۔ یہ تشویش اِس لیے ظاہر کی گئی کہ بھارت عرب ممالک سے بہت بڑے پیمانے پر خام تیل اور قدرتی گیس خریدتا ہے۔ خطے کے ممالک سے تعلقات بگڑنے پر بھارت کے لیے توانائی کا بحران پیدا ہوسکتا ہے۔ پروین ڈونتھی کا کہنا ہے کہ ایران جنگ نے بھارت کی پوزیشن نازک بنا ڈالی ہے کیونکہ وہ اسرائیل کی طرف واضح جھکاؤ رکھتا ہے۔

اسرائیل کے وزیرِاعظم بنیامین نیتن یاہو کے لیے انٹرنیشنل کرمنل کورٹ نے گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے ہیں۔ اِس حقیقت کے باجود نریندر مودی کا اسرائیلی وزیرِاعظم کو اپنا دوست کہنا خلیج فارس کی عرب ریاستوں سے بھارت کے تعلقات میں بگاڑ کا باعث بنا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایسے وقت ہوا ہے جب پاکستان نے خلیجی کی متمول ریاستوں سے سلامتی اور دفاع کے معاہدے کیے ہیں۔

خطے کی صورتِ حال تیزی سے بدل رہی ہے۔ اسرائیل نے ایک طرف غزہ اور مقبوضہ غرب اردن کو نشانے پر لے رکھا ہے، دوسری طرف وہ ایران، لبنان اور قطر پر بھی بمباری کرتا رہا ہے۔ ایسے میں خلیج کی ریاستوں نے بھی صرف امریکا پر منحصر رہنا ترک کر دیا ہے۔

گزشتہ ستمبر میں سعودی عرب نے دنیا کی واحد مسلم ایٹمی طاقت پاکستان کے ساتھ ایک جامع دفاعی معاہدے کا اعلان کیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ترکی اور چند خلیجی ریاستیں بھی پاک سعودی دفاعی معاہدے میں شمولیت اختیار کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔

گزشتہ مئی میں پاکستان نے بھارت کو جو منہ توڑ جواب دیا اور اُس کے طیارے مار گرائے، اُس کے بعد سے پاکستان کی پوزیشن خاصی مستحکم ہو چکی ہے۔ دنیا بھر میں پاکستانی لڑاکا طیاروں کی طلب بڑھی ہے۔ دوسری طرف چین کے دفاعی آلات کی طرف بھی دنیا تیزی سے اور بہت زیادہ متوجہ ہوئی ہے۔

دوسری طرف بھارت میں مودی سرکار نے مسلم مخالف پالیسیاں اپنائی ہوئی ہیں۔ اِس کے نتیجے میں بنگلا دیش اور مالدیپ سے بھی بھارت کے تعلقات متاثر ہوئے ہیں۔ خلیج کی ریاستیں بھی بھارت سے نالاں دکھائی دیتی ہیں۔ مئی ۲۰۲۲ء میں اُس کی بھارتیہ جنتا پارٹی کی ترجمان نپور شرما نے حضرت محمدؐ کے لیے اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے جس نے خلیج کے خطے میں شدید ردِعمل کی لہر پیدا کی۔ اِن ملکوں میں بھارتی سفیروں کو طلب کر کے احتجاج کیا گیا۔ بی جے پی نے اس واقعے کے بعد نپور شرما کو ایک طرف کر دیا تاکہ مسلم دنیا میں پیدا ہونے والے شدید ردِعمل کو رفع کیا جاسکے۔

۲۰۱۴ء میں نریندر مودی کے وزیرِاعظم بننے کے بعد سے بھارت بھر میں مسلمانوں سے بدسلوکی، اُنہیں اجتماعی تشدد کا نشانہ بنانے، مساجد کو شہید کرنے، عبادت گزاروں کو مارنے پیٹنے اور تہواروں کے موقع پر مسلمانوں کو بدسلوکی کا نشانہ بنانے کے واقعات میڈیا کی شہ سُرخیوں میں رہے ہیں۔ بنیادی حقوق کی تنظیموں اور نگراں گروپوں نے بھارت میں اقلیتوں سے بڑھتی ہوئی بدسلوکی کے حوالے سے بارہا تشویش کا اظہار کیا ہے۔

بھارت میں مسلمانوں سے کی جانے والی بدسلوکی اور تشدد کو پاکستان نے ایک اچھے موقع کی حیثیت سے بروئے کار لا کر بھارت کے خلاف اپنا کیس مضبوط بنایا ہے۔ سابق وزیرِاعظم عمران خان کے دورِ حکومت میں پاکستان نے بھارت میں مسلمانوں سے امتیازی سلوک اور اُنہیں قتل و غارت سے دوچار کرنے کے واقعات کو اقوامِ متحدہ کے پلیٹ فارم کے ذریعے عالمی سطح پر اُٹھایا۔ پاکستان نے اسلامی ممالک کی تنظیم OIC کے ساتھ مل کر اقوامِ متحدہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ ۱۵ مارچ کو اسلاموفوبیا کے خلاف لڑائی کے عالمی دن کا درجہ دے۔

ٹرمپ پر پاکستان کا جادو

جنوری ۲۰۲۵ء میں ڈونلڈ ٹرمپ دوبارہ امریکی صدر بنے۔ پاکستان نے ٹرمپ انتظامیہ کے ساتھ اہم معدنیات اور کرپٹو مائننگ کے حوالے سے معاہدے کیے۔ گزشتہ جولائی میں پاکستان نے ٹرمپ انتظامیہ سے ایک ڈیل کی جس کا مقصد کمیاب معدنیات امریکا کو بڑے پیمانے پر فراہم کرنا تھا۔ یہ معدنیات ابھرتی ہوئی ٹیکنالوجیز کے لیے ناگزیر ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اِن کی عالمی سپلائی پر بہت حد تک چین کا اجارہ ہے۔ ایک امریکی فرم نے پاکستان میں اس حوالے سے ۵۰ کروڑ ڈالر کی سرمایہ کاری پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

ستمبر ۲۰۲۵ء میں پاکستانی آرمی چیف عاصم منیر کو وزیرِاعظم محمد شہباز شریف کے ساتھ امریکی ایوانِ صدر کے اوول آفس میں مدعو کیا گیا۔ فیلڈ مارشل عاصم منیر کو امریکی صدر نے گزشتہ دسمبر میں میامی میں اپنی ذاتی جاگیر مارا لیگو میں مدعو کیا تھا۔

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے سابق مستقل مندوب مسعود خان کہتے ہیں ''ایک سال کے دوران پاکستان نے واشنگٹن میں اپنی پوزیشن قابلِ رشک حد تک مستحکم کر لی ہے، بالخصوص گزشتہ مئی میں بھارت سے معرکہ آرائی کے بعد۔ پاکستان کی سفارت کاری کامیاب رہی ہے۔ پاکستان نے امریکا سے کمیاب معدنیات اور کرپٹو کرنسی کے حوالے سے قابلِ رشک ڈیلز کی ہیں۔''

ٹرمپ اور عاصم منیر کے درمیان خوش گوار تعلقات نے امریکا کی طرف سے پاکستان کے خلاف الزامات اور عدمِ اعتماد کی فضا کو ختم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکا اور اس کے ہم خیال ممالک کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ پاکستان افغانستان میں لڑی جانے والی جنگ میں امریکا کا اہم پارٹنر رہا۔

پاکستان پر امریکا کی جانب سے افغان طالبان کی حمایت و امداد کا الزام عائد کیا جاتا رہا۔ یہ طالبان امریکی مفادات کو شدید نقصان پہنچاتے رہے۔ پھر یہ ہوا کہ القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں موجود پائے

گئے اور امریکا نے رات کی تاریکی میں کی جانے والی ایک بڑی فوجی کارروائی میں اُنہیں ہلاک کیا۔ اس واقعے نے امریکی قیادت کو پاکستان کے بارے میں مزید بدگمان کر دیا۔

دوسری طرف بھارت نے اس صورتِ حال کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں کشمیری مجاہدین کی تحریک کو القاعدہ سے جوڑنے کی کوشش کی اور اِسے ایک بڑی مذہبی جنگ کا حصہ قرار دیا۔ پاکستان پر بھی الزام عائد کیا گیا کہ مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریکِ آزادی کی پُشت پر وہی کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

بھارت نے کم وبیش دو عشروں تک پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر کیس مضبوط کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بھارت میں بننے والی حکومتیں اقوامِ متحدہ سمیت تمام ہی عالمی اور علاقائی پلیٹ فارمز پر پاکستان کو مطعون کرتی رہیں۔ بڑی طاقتوں اور عالمی اداروں پر زور دیا جاتا رہا کہ دہشت گردی کی فنڈنگ کے حوالے سے پاکستان کے بارے میں چھان بین کی جائے۔ ۲۰۰۸ء میں ممبئی حملوں کے بعد، جن میں ۱۶۵/افراد مارے گئے، بھارت نے پاکستان کو عالمی سطح پر مطعون کرنے کی مہم تیز کر دی۔

پاکستان کو مختلف مسلح گروپوں سے تعلق کے حوالے سے عالمی سطح پر چھان بین اور چھان پھٹک کے مرحلے سے گزرنا پڑا جس کے نتیجے میں اُس کی ساکھ قابلِ ذکر حد تک متاثر ہوئی۔ پاکستان کی اپنی (اندرونی) سلامتی بھی متاثر ہوئی کیونکہ بہت سے مسلح گروپوں کی طرف سے اُسے شدید ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ بیرونی سرمایہ کاری کی راہ مسدود ہوگئی، دنیا بھر کی بڑی اور نمایاں حکومت نے اپنے شہریوں کو پاکستان کے سفر سے متنبہ کیا۔ کھیلوں کے مقابلے منسوخ ہوئے۔ اِس کے نتیجے میں پاکستان عالمی برادری میں الگ تھلگ ہوکر رہ گیا۔ بھارت یہی تو چاہتا تھا۔

پروفیسر اشتیاق احمد کہتے ہیں ''بھارت نے یہ سمجھ لیا کہ نائن الیون کے بعد پاکستان کے بارے میں جو بیانیہ تیار ہوا، وہ دائمی ہے۔ پاکستان نے خاموشی سے مسلح گروپوں کے قائدین اور مالیاتی سہولت کاروں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ اِس کے نتیجے میں اُس کی ساکھ بہتر ہوتی چلی گئی۔ مسلح گروپوں نے عشروں تک پاکستان کو نشانے پر رکھا اور اس کے نتیجے میں پاکستانیوں کو شدید جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کو سفارت کاری کے محاذ پر بہت بڑے چیلنج کا سامنا تھا۔ معاشی معاملات بھی درست کرنے تھے اور باقی دنیا سے احسن طریقے سے جُڑنا بھی تھا۔ جب پاکستان نے اپنی ساکھ درست کرنے کی بھرپور کوششیں شروع کیں تو دنیا نے اُسے ایک ایسے ملک کے طور پر دیکھنا شروع کیا جو بحرانوں پر محض ردِعمل ظاہر کرنے کے مرحلے سے کہیں آگے بڑھ کر علاقائی سطح پر معاملات کو نئی شکل دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پاکستان اُن چند ممالک میں سے ہے جو بیک وقت واشنگٹن، تہران، ریاض اور بیجنگ کو عمدگی سے لُوپ میں لے سکتے ہیں، انگیج کر سکتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد پاکستان کی جو پوزیشن تھی، وہ اب تحلیل ہوچکی ہے اور پاکستان خاصے اعتماد کے ساتھ عالمی سطح پر ابھرا ہے۔''

اب اس امر کے اشارے مل رہے ہیں کہ بھارت بھی تسلیم کر رہا ہے کہ اُس کی اپروچ محدود رہی ہے۔ حالیہ تین ماہ کے دوران دونوں پاکستان اور بھارت کے ریٹائرڈ سفارت کار اور جرنیل دو بار ملاقات کر چکے ہیں۔

بھارت کی حکمراں جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی روحانی گرو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے ایک سینئر رہنما پاکستان سے مکالمہ دوبارہ شروع کرنے کے طرف دار ہیں اور سابق بھارتی آرمی چیف منوج مُکند نے بھی پاکستان سے تعلقات بہتر بنانے کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کی حمایت کی ہے۔

اِس دوران بھارتی قیادت امریکا سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ایک سال کے دوران بھارت امریکا تعلقات کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ بھارت اب امریکا کے لیے زیادہ پسندیدہ ملک نہیں رہا کیونکہ ایک سال کے دوران نریندر مودی نے بعض غلط اشارے دیے ہیں، اُن کی طرف سے بعض بیانات اور اقدامات کی شکل میں ایسے پیغام گئے ہیں جنہوں نے امریکی قیادت کو منہ موڑ کر کسی اور طرف دیکھنے پر مجبور کیا ہے۔ ٹرمپ کے ٹاپ ڈپلومیٹ کی حیثیت سے وزیرِ خارجہ مارکو روبیو کا حالیہ دورۂ بھارت دوطرفہ تعلقات بہتر بنانے کی سمت اٹھایا جانے والا اہم قدم تھا۔

بھارت امریکا کشیدگی

مارکو روبیو کا دورۂ نئی دہلی بھارتی قیادت کے لیے کوئی بہت بڑا معاملہ نہ تھا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ خود صدر ٹرمپ بھارت آئیں۔ جون ۲۰۲۵ء میں کینیڈا جاتے ہوئے جب نریندر مودی نے امریکی صدر کی کال وصول کی تھی تب اِس نکتے پر زور دیا تھا کہ چار روزہ معرکہ آرائی کے بعد پاکستان سے طے پانے والا جنگ بندی کا معاہدہ امریکا کی وساطت سے نہیں بلکہ دوطرفہ مذاکرات کے نتیجے میں طے پایا تھا۔

ایک سال گزر چکا ہے مگر صدر ٹرمپ اب تک بھارت کے دورے سے بہت دور ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں چین کا دورہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایران جنگ ختم کرنے سے متعلق معاہدے پر دستخط کی تقریب کے لیے وہ پاکستان کا دورہ کر سکتے ہیں۔

ایسا ہمیشہ سے نہیں تھا۔

ڈھائی عشروں کے دوران چار امریکی صدور جارج واکر بش، براک اوباما، ٹرمپ اور جو بائیڈن نے بھارت سے تعلقات بہتر بنانے پر توجہ دی ہے۔ واشنگٹن نے ایک ارب ۴۰ کروڑ نفوس پر مشتمل ملک کی حیثیت سے بھارت کو ایک بڑھتی ہوئی معاشی قوت اور چین کے خلاف بڑے کاؤنٹر ویٹ کے طور پر دیکھا ہے۔ اِن چاروں امریکی صدور نے بھارت کا دورہ کیا۔ اوباما دو بار بھارت گئے۔ اور اس دوران جارج واکر بش کے سوا کسی بھی امریکی صدر نے پاکستان کا دورہ نہیں کیا۔

چین کو قابو میں رکھنے کے مقصد کے تحت بھارت اور امریکا کے قائدین نے اسٹریٹجک پارٹنرشپ گہری کرنے پر اتفاق کیا۔ بھارت روایتی طور پر دفاعی معاملات میں روس پر منحصر رہا ہے مگر پھر بھارتی قیادت نے امریکا اور دیگر مغربی طاقتوں سے بھی بڑے پیمانے پر جدید ترین طیارے، میزائل اور ہتھیار حاصل کرتا رہا ہے۔

پروین ڈونتھی (انٹرنیشنل کرائسز گروپ) نے خبردار کیا ہے کہ جب تک بھارت اور پاکستان مل بیٹھ کر اپنے بنیادی تنازعات دور نہیں کریں گے تب تک اِن کے درمیان مسلح تصادم کا خطرہ برقرار رہے گا۔ پروین کہتے ہیں ''پاک بھارت تعلقات ایک زمانے سے اندرونی سیاست کے ہاتھوں یرغمال بنے رہے ہیں۔ بھارتی قیادت پاکستان سے ڈرا کر ووٹ حاصل کرتی ہے اور پاکستان میں بھی سیاسی جماعتوں کا ووٹ بینک بھارت سے مخاصمت کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔ چین عسکری طور پر کُھل کر پاکستان کی حمایت اور مدد کر رہا ہے۔ ایسے میں بھارت اب پاکستان کو محض دوطرفہ تعلقات کے عدسے سے دیکھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔''

پروین ڈونتھی کا کہنا ہے کہ حملوں، جنگ اور سفارتی سرد مہری روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ اِس کے سوا کچھ نہیں کہ دونوں ملک اعلیٰ سطح پر مذاکرات کی راہ ہموار کریں۔ اس حوالے سے فی الحال بیک ڈور چینل قائم کیے جانے چاہئیں جو براہِ راست بات چیت کی راہ ہموار کریں۔

امریکا اور بھارت نے جاپان اور آسٹریلیا سے ہاتھ ملا کر

کواڈریلیٹرل سکیورٹی ڈائیلاگ (QUAD) کے نام سے پلیٹ فارم تشکیل دیا ہے۔ کُھل کر تو کہا نہیں گیا مگر اِس اتحاد کا بنیادی مقصد ایشیا و بحرالکاہل کے خطے (اوشیانا) کے خطے میں چین کے بڑھتے ہوئے اثرات کی راہ میں دیواریں کھڑی کرنا ہے۔

ڈونلڈ ٹرمپ نے دوسری بار امریکی صدر کا منصب سنبھالنے کے بعد ایشیا پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ بھارت کے سابق سیکرٹری خارجہ وجے گوکھلے نے ۱۳ مئی کو 'ٹائمز آف انڈیا' میں لکھا کہ امریکا اب QUAD میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس اتحاد کا ایک سربراہ اجلاس بلایا گیا تھا جس کی میزبانی نریندر مودی کرنے والے تھے۔ ۲۰۲۵ء میں منعقد ہونے والا یہ اجلاس کبھی منعقد نہیں ہوا اور یہ بھی واضح نہیں کہ رواں سال بھی ہوگا یا نہیں۔ ویسے نئی دہلی کے دورے میں امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو نے QUAD کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔

وجے گوکھلے نے مزید لکھا ''ایسا لگتا ہے کہ بھارت ٹرمپ انتظامیہ کی ایشیا و بحرالکاہل اسٹریٹجی میں جغرافیائی طور پر فِٹ نہیں بیٹھتا۔ امریکا اس وقت نئی دہلی کے حوالے سے تذبذب کا شکار ہے۔ ٹرمپ انتظامیہ کا خیال ہے کہ بھارت مغربی بحرالکاہل اور بحرِ ہند میں سلامتی کے حوالے سے کوئی بھاری ذمہ داری نبھانے کی سکت سے محروم ہے۔ یہی سبب ہے کہ اب امریکا متبادل تیار کر رہا ہے۔''

ایشیا پر زیادہ متوجہ ہونے کے بجائے صدر ٹرمپ نے اپنی دوسری مدتِ صدارت میں ٹیرف کی جنگ میں وقت اور صلاحیت کی زیادہ سرمایہ کاری کی ہے۔ تجارتی جنگ نے عالمی تجارت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ تارکینِ وطن کے خلاف جارحانہ پالیسی اپنائے ہوئے ہیں اور اُن کی توجہ امریکا کو دوبارہ عظیم بنانے کی تحریک MAGA پر زیادہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بیرونِ ملک عسکری مہم جوئی پر بھی زیادہ توجہ دینی شروع کی ہے۔ وینزویلا اور ایران کے معاملے میں یہی تو ثابت ہوا ہے۔

بہت سے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان طے پانے والے جنگ بندی کے معاہدے کا کریڈٹ ڈونلڈ ٹرمپ کو دینے سے مودی کے انکار نے دوطرفہ تعلقات کو کشیدگی سے دوچار کیا ہے۔

ڈونلڈ ٹرمپ بھارت پر پروٹیکشن اِزم کا الزام بھی عائد کرتے رہے ہیں یعنی بھارت امریکا کو برآمد تو بہت کچھ کرتا ہے مگر وہاں سے منگواتا بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں یوکرین پر لشکر کشی کی پاداش میں امریکا نے روس پر اقتصادی پابندیاں عائد کی تھیں مگر بھارت نے امریکی دباؤ کی چنداں پروا نہیں کی اور روس سے خام تیل خریدنا بند نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ امریکی صدر نے ایران کی چابہار بندرگاہ کے حوالے سے عائد پابندیوں کو ختم کرنے سے انکار کیا۔ اس بندرگاہ میں بھارت نے اربوں ڈالر لگا رکھے ہیں۔ امریکا کی طرف سے پروفیشنلز کو جاری کیے جانے والے H-1B ویزا سے سب سے زیادہ بھارتی آئی ٹی پروفیشنلز مستفید ہوتے تھے۔ امریکا نے اب یہ ویزا پروگرام ہی بند کر دیا ہے۔ امریکا کو دوبارہ عظیم بنانے کی جو مہم ڈونلڈ ٹرمپ نے شروع کی ہے، اُس کے تحت اب امریکا بھر میں بھارتی نژاد باشندوں کے خلاف نسلی منافرت کے واقعات ہو رہے ہیں۔

کچھ کہا نہیں جا سکتا

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی یا بین الریاستی تعلقات صرف اور صرف قومی مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔ پورے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ بھارت یا پاکستان سے امریکا کے خوشگوار تعلقات کب تک برقرار رہ پائیں گے۔ وقت بدلتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ کل کے دوست آج کے دشمن بن سکتے ہیں اور جن سے کل دشمنی تھی، وہ آج دوست کے طور پر قبول کیے جا سکتے ہیں۔

مئی میں ''دی نیشنل انٹریسٹ'' کے لیے ایک مضمون میں Ailia Zehra نے لکھا ''اِس وقت پورے یقین سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ امریکی سفارت کاری میں پاکستان کی اہمیت میں جس قدر اضافہ ہوا ہے، وہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں غیر معمولی وسعت کی راہ ہموار کرے گی اور یہ معاملہ ٹرمپ انتظامیہ کے بعد واشنگٹن میں پاکستان کی قدر و قیمت کا نیا باب کھولے گا۔''

مستقبل کا معاملہ

پاکستان اور بھارت کے درمیان بنیادی مسائل اب بھی حل نہیں ہو سکے ہیں۔ دونوں پڑوسی وقتاً فوقتاً مسلح تصادم کی طرف چل پڑتے ہیں۔ میساچوسیٹس کالج آف لبرل آرٹس میں اینتھروپولوجی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر محمد جنید کا کہنا ہے کہ پاک بھارت کشیدگی کی بنیادی وجہ مسئلۂ کشمیر ہے۔ ''مقبوضہ کشمیر کے باشندے چاہتے ہیں کہ اسلحے پر قابو پایا جائے، سیاسی آزادی کا گراف بلند کیا جائے، معاشی طور پر پنپنے کی گنجائش پیدا کی جائے، تشدد کا قلع قمع ہو اور جبری یا ظالمانہ قوانین کا خاتمہ ہو۔''

مقبوضہ کشمیر کا شمار سب سے زیادہ عسکریت زدہ خطوں میں ہوتا ہے۔ وہاں بھارت کے ساڑھے سات لاکھ فوجی اور نیم فوجی تعینات ہیں۔ کئی عشروں کے دوران، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، ۶۰ لاکھ سے زائد کشمیری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اِن میں اکثریت عام شہریوں کی ہے۔ بنیادی حقوق کے علم بردار گروپوں نے بھارتی فوجیوں پر کشمیریوں سے شدید بدسلوکی کا الزام عائد کیا ہے۔

۲۰۱۹ء میں مودی سرکار نے آئین کے تحت جموں و کشمیر کو دیا جانے والا خصوصی درجہ ختم کر دیا تھا جس کے ذریعے کشمیر کو نیم خود مختار حیثیت ملی ہوئی تھی۔ کشمیر کے دو حصے کر دیے گئے اور اِس سے ریاست کا حق چھین لیا گیا۔ اب یہ براہِ راست نئی دہلی کے کنٹرول میں ہے۔ اب ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ کشمیر کو اپنے براہِ راست کنٹرول میں رکھ کر نئی دہلی کیا حاصل کر رہا ہے۔

محمد جنید کا کہنا ہے کہ مقبوضہ کشمیر اِس وقت دھماکا خیز صورتِ حال کا شکار ہے۔ پورا خطہ بارود کے ڈھیر کے مانند ہے۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے میں اگر پاکستان اور بھارت مذاکرات کا سلسلہ بحال کریں تو کسی جامع اور قابلِ قبول تصفیے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

محمد جنید کہتے ہیں ''جنوبی ایشیا کی سلامتی اور خوش حالی کا مدار اشتراکِ عمل پر ہے۔ لازم ہے کہ انتہائی قوم پرستانہ بڑبولے پن کا خاتمہ ہو۔ جمہوری کلچر کو تیزی سے اور وسیع پیمانے پر فروغ دیا جائے اور ثقافتی و مذہبی سطح پر ایک دوسرے کو اپنانے کا رجحان اپنایا جائے۔ اگر جموں و کشمیر میں جمہوری کلچر اپنایا جائے تو پورے خطے میں پائیدار امن کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

سیاسیات کے ماہر اور سیاسی کارکن اپچن وِنایک کہتے ہیں ''بھارت کو پاکستان کی مسلح افواج اور نان اسٹیٹ ایکٹرز کے درمیان فرق کرنا اور فرق سمجھنا ہوگا۔ عسکریت پسند گروہوں کو سزا دلوانے کے لیے انٹرنیشنل میکینزم کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ پاکستان پر حملے کی صورت میں دو ایٹمی قوتوں کے درمیان شدید محاذ آرائی و معرکہ آرائی کا خطرہ موجود ہے۔ دونوں ملکوں کو ڈی فیکٹو بارڈر (لائن آف کنٹرول) کے دونوں طرف ۱۰ کلومیٹر کا ڈی ملٹرائزڈ زون قائم کرنا چاہیے اور اِس کی نگرانی بین الاقوامی امن فورس کو سونپی جائے۔

(مترجم: ابوصباحت)

"How Indian PM Modi's efforts to isolate Pakistan 'backfired'."

("Aljazeera". May 29, 2026)

ایران امریکا معاہدے کے بعد دنیا کیسی ہوگی

عامر خاکوانی

امن معاہدہ یا اس کا ایم او یو کہہ لیں، وہ تو ہوگیا، اب سوال آگے کا ہے۔ اللہ کرے اگلے دو مہینوں میں باقاعدہ، مکمل اور حتمی معاہدہ ہوجائے جس کے قوی امکانات ہیں۔ اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ اس کے بعد کی دنیا کیسی ہوگی؟ یہ وہ نکتہ ہے جس پر آج ہم بات کریں گے۔ سب سے پہلے امریکا کا تجزیہ کہ وہ حملہ آور فریق تھا، جنگ کا ذمہ دار ہی وہ تھا۔

امریکا کو کیا ملا؟

ہنری کسنجر نے ویت نام کی جنگ کے بارے میں ایک فقرہ کہا تھا جو آج لفظ بہ لفظ ایران کی جنگ پر چسپاں ہوتا ہے۔ کسنجر کا کہنا تھا کہ گوریلا فوج اگر سرنڈر نہ کرے اور اپنا وجود برقرار رکھ پائے تو یہ اس کی جیت ہے۔ اس کے برعکس ریگولر آرمی کو فتح کے لیے واضح، فیصلہ کن جیت حاصل کرنا پڑتی ہے۔

یہی معاملہ کسی بڑے ملک کی فوج اور چھوٹے ملک کا ہے۔ اگر بڑا ملک چھوٹے ملک کو شکست نہیں دے سکا تو یہ صاف لفظوں میں اس کی ہار ہے۔ جنگ میں یہ نہیں ہوتا کہ آپ نے ساٹھ یا ستر فیصد جنگ جیتی ہے۔ نہیں بھئی۔ ایسا نہیں ہوتا۔ آپ جنگ میں گھس تو جاتے ہیں، پھر آسانی سے نکل نہیں سکتے۔ نکلتے وقت طے ہوگا کہ فتح ہوئی یا نہیں؟ واضح طور پر یہ امن معاہدہ امریکا کی فتح نہیں ہے۔ اس کا پھر یہی مطلب ہے کہ امریکا کی شکست ہوئی۔ یہ بات ہمارے کئی مغرب زدہ لوگوں کو ناگوار گزرے گی مگر یہ سفاک حقیقت ہے۔

یہ بات میں نہیں کہہ رہا، پورا امریکی میڈیا کہہ رہا ہے۔ آج کے نیویارک ٹائمز، وال اسٹریٹ جرنل، واشنگٹن پوسٹ جیسے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیں۔ وہ تجزیہ کار جو صدر ٹرمپ کے حامی سمجھے جاتے تھے، وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جو بلند وبانگ دعوے صدر ٹرمپ نے حملے کے وقت کیے تھے، ان میں سے کوئی بھی پورا نہیں ہوا۔

صدر ٹرمپ ایران میں رجیم تبدیل کرنا چاہتے تھے، نہیں کر پائے۔ ٹرمپ اب کہہ رہے ہیں کہ ایران میں زیادہ اسمارٹ نئی قیادت آ گئی ہے۔ نئی قیادت؟ کوئی جا کر مسٹر ٹرمپ کو بتائے کہ جناب علی خامنائی کا بیٹا اب رہبر انقلاب ہے جنہیں اپنے بزرگ والد سے زیادہ سخت گیر سمجھا جاتا ہے۔ پاسداران انقلاب میں زیادہ سخت، زیادہ نظریاتی لوگ اوپر آئے ہیں۔ یہ نئی قیادت نہیں یہ اسی پچھلی رجیم کا تسلسل ہے۔ زیادہ نظریاتی، زیادہ سخت گیر اور امریکی حملوں کا کامیابی سے دفاع کرنے کے اعتماد سے سرشار ہائی مورال والی ایرانی قیادت۔

اسی طرح امریکا ایران کے میزائل پروگرام کو محدود کرنا چاہتا تھا، نہیں ہوا۔ امریکا چاہتا تھا کہ ایران لبنان میں حزب اللہ، یمن میں حوثیوں، شام اور عراق میں اپنے حامی گروپوں کو فنڈنگ نہ کرے، انہیں چھوڑ دے۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ معاہدے میں یہ شق سرے سے شامل ہی نہیں۔ امریکا صرف اس پر خوش ہے کہ ایران نیوکلیئر بم نہیں بنائے گا۔ ایران تو پہلے ہی یہ کہتا تھا کہ اس نے نیوکلیئر بم نہیں بنانا۔ ان کے تو سب سے بڑے عالم کا فتویٰ موجود ہے کہ نیوکلیئر ہتھیار نہیں بنانے چاہئیں۔

امریکا نے پھر کیا حاصل کیا؟ مختصر جواب ہے، کچھ بھی نہیں۔ بس امریکا اس جنگ سے نکل گیا ہے، گو شرمندہ ہوکر، ناکام ہوکر۔ صدر ٹرمپ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ جنگ کی دلدل میں پھنس گئے ہیں، انہیں یہ بھی پتا چل گیا کہ مجھے دھوکہ دے کر جنگ کرائی گئی۔ ٹرمپ کسی نہ کسی طرح جنگ سے نکلنا چاہتا تھا۔ بس وہی ہوا ہے مگر ایران کو کئی رعایتیں دے کر ہی ایسا ہو پایا۔

درحقیقت امریکا کو ایک تیسرے ملک، پاکستان، کی ثالثی سے مذاکرات کی میز پر آنا پڑا، اور جو معاہدہ ہوا اس میں ایران کی پابندیاں ختم کی جا رہی ہیں، اربوں ڈالر کے منجمد اثاثے واپس کیے جا رہے ہیں، اور تین سو ارب ڈالر کی تعمیر نو کا فنڈ بھی زیر بحث ہے۔ یہ کسی فاتح کی شرائط نہیں، یہ ایک تھکے ہوئے فریق کا سمجھوتہ ہے۔

اس کا موازنہ اسی برس کے آغاز میں ہونے والے ایک اور آپریشن سے کریں تو فرق خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ ۳ جنوری کو امریکی فوج وینزویلا میں گھس گئی اور صدر میدورو کو ان کے ہی محل سے اٹھا لیا، یہ پورا آپریشن صرف دو گھنٹے ۲۸ منٹ میں مکمل ہوگیا۔ تاریخ کی مختصر ترین جنگوں میں شمار ہوتا ہے۔ ٹرمپ نے فخر سے کہا تھا کہ ہم امریکی طاقت دوبارہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہی جوش اور یہی اعتماد دو ماہ بعد ایران پر حملے کی صورت میں نکلا۔ مگر وینزویلا ایک تنہا، کمزور اور غیر مقبول حکمران کا ملک تھا، جبکہ ایران ایک منظم ریاستی ڈھانچہ، تربیت یافتہ فوج، علاقائی پراکسی نیٹ ورک اور برسوں کی تیار کردہ میزائل حکمت عملی رکھنے والا ملک ثابت ہوا۔ ایک کو ۲ گھنٹوں میں زمین پر لٹا دیا گیا، دوسرے نے امریکا کو ۴ ماہ تک الجھا کر رکھا بلکہ پوری دنیا کی معیشت ہلا دی۔

خاکسار کی رائے میں یہی اس پوری کہانی کا سب سے بڑا سبق ہے، امریکا آج بھی کمزور کو فوری زیر کر سکتا ہے، مگر مضبوط مزاحمت رکھنے والے کو شکست نہیں دے سکتا۔ یہ اس جنگ کا ایک اور سائیڈ ایفکٹ نکلا ہے، چھوٹے نسبتاً کمزور ملکوں کو بھی سمجھ آئی ہے کہ ہوشیاری سے جنگ لڑی جائے تو اچھی مزاحمت ہوسکتی ہے۔

یورپ کہاں کھڑا ہے؟

یورپ کو پہلے یوکرین کی جنگ نے اور پھر ایران جنگ نے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یورپ اپنے آپ کو تنہا، کمزور اور غیر محفوظ تصور کر رہا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ امریکا ہماری مدد کرے گا اور ہمیں روس کے حملوں کے خلاف بچائے گا۔ اب ان کی سوچ بدل گئی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ امریکا تو ایران سے نہ نمٹ سکا، ان کی کیا مدد کرے گا۔ اگلے برسوں میں یورپی ممالک اپنا دفاعی بجٹ بہت زیادہ بڑھانا چاہ رہے ہیں تاکہ خود تگڑے ہوں اور کسی خطرے سے نمٹ سکیں۔

میں نے تازہ مغربی تجزیے دیکھے تو پتہ چلا کہ جرمن چانسلر فریڈرک میرس، جو ابتدا میں امریکا کے ساتھ کھڑے تھے، آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ امریکا ایرانی پاسداران انقلاب کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا ہے۔ ٹرمپ نے غصے میں جواب دیا کہ میرس کو پہلے اپنے ملک کی توانائی اور امیگریشن کے مسائل دیکھنے چاہئیں۔ ویسے یورپ اب یہ چاہتا ہے کہ ایران کے ساتھ اس کی انگیجمنٹ بڑھے۔

ایران کہاں کھڑا ہے؟

اگر ایرانی قیادت دانشمندی سے کام لے اور معاہدے کو کامیاب ہو جانے دے، چھوٹے چھوٹے مسائل پر بے جا ضد نہ کرے تو تو ایران اس جنگ سے ہر اعتبار سے کامیاب ہوکر نکلا ہے۔ اس کے بہت سے مسائل حل ہوگئے، جن کا ۴-۵ ماہ پہلے ایرانی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ امریکی حملے سے پہلے ان پر بے شمار پابندیاں تھیں، وہ کھلے عام اپنا تیل نہیں بیچ سکتے تھے۔ چوری چھپے تیل بیچتے تو وہ سستا دینا پڑتا۔ گیس نہیں دے سکتے تھے۔ کوئی غیر ملک وہاں انویسٹمنٹ کو تیار نہیں تھا۔ ایرانی

کرنسی تباہ ہو چکی تھی، معاشی حالات بہت ہی خراب۔

اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ ایران پر پابندیاں ختم ہو رہی ہیں۔ وہ اپنا تیل مناسب ریٹ پر بیچ سکے گا۔ گیس دے گا، پاکستان ایران گیس پائپ لائن منصوبہ بھی بحال ہو سکے گا۔ ایران کے منجمد شدہ پیسے واپس آجائیں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تین سو ارب ڈالر کا سپورٹ فنڈ اس کے لیے بنے گا۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ ایران کے وارے نیارے ہو سکتے ہیں۔ سب کچھ بدل جائے گا۔ صرف ۲، ۳ برسوں میں ایران پورے ریجن کی بڑی قوت بن کر ابھر سکتا ہے۔ صرف ایرانی قیادت کو دانشمندی سے کام لینا ہوگا۔

بدلتا مڈل ایسٹ

مڈل ایسٹ کا نیا پاور اسٹرکچر سامنے آئے گا۔ پاکستان سعودی عرب معاہدہ تو ہو چکا۔ یہ اپنی جگہ رہے گا اور عین ممکن ہے کہ باقاعدہ طور پر الگ سے ایک نیا دفاعی معاہدہ پاکستان، سعودی عرب، ترکیہ، مصر، قطر میں ہو جائے۔ یہ بھی چانس ہے کہ کویت، بحرین بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ یہ کوئی باقاعدہ دفاعی معاہدہ نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ یہ ۴ ممالک مشترکہ سیکیورٹی خدشات پر اب اکٹھے سوچ رہے ہیں، اور یہ امریکی چھتری کے بغیر سوچنے کی پہلی سنجیدہ کوشش ہے۔ ایران سعودی عرب تعلقات کی ایک نئی جہت سامنے آسکتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو مڈل ایسٹ کا نقشہ ہی تبدیل ہو جائے گا۔ ابراہیم اکارڈ والی کہانی بھی اب ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔

سب سے بڑا لوزر، اسرائیل

اس جنگ کا سب سے بڑا نقصان اسرائیل کو ہوا ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے آج کے نیویارک ٹائمز میں ان کے یروشلم کے بیورو چیف کی رپورٹ کا اقتباس نقل کر رہا ہوں، اندازہ ہو جائے گا کہ اسرائیل میں کیا چل رہا ہے؟ ڈیوڈ ایم ہاب فنگر لکھتے ہیں، اسرائیلی تجزیہ کاروں کے مطابق، اسرائیل کے نقطہ نظر سے یہ ایک انتہائی تباہ کن معاہدہ ہے، کیونکہ یہ اسرائیل کے جنگی مقاصد میں سے کسی ایک کو بھی پورا نہیں کرتا، یہ دلیل بھی دی جا رہی ہے کہ اس نے ملک کو ہر محاذ پر پہلے سے کہیں زیادہ کمزور پوزیشن میں لا کھڑا کیا ہے۔ دی ٹائمز آف اسرائیل کے ایڈیٹر، ڈیوڈ ہارووِٹز نے ایک طویل کالم میں اسے 'تباہ کن پسپائی' کا نام دیا۔

اسرائیل کے چینل ۱۲؍ نیوز کے تجزیہ کار، نیر دوری نے اس معاہدے کو سفارتی ۷؍ اکتوبر سے تشبیہ دی۔ ایک ایسا بھیانک المیہ جس کے لیے اسرائیل مکمل طور پر غیر تیار تھا۔

اسرائیل کے سابق ڈپٹی نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزر، چک فرائلک نے کہا ہے، ایران اس جنگ سے مضبوط ہو کر نکلا ہے، اور وہ اب خطے کا نیا چوہدری ہے۔ ایران نے دنیا کی سپر پاور، امریکا کا مقابلہ کیا۔ ان کے پاس میزائل موجود رہ سکتے ہیں، اور معاہدے میں جوہری مسئلے کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم اس پر بات کریں گے۔ یہ امریکا اور اسرائیل پر ایران کی ایک واضح فتح ہے۔

پاکستان، غیر معمولی کامیابی

وال اسٹریٹ جرنل کے فرنٹ پیج پر سینئر تجزیہ کار سدھا نند دھوے کا دلچسپ تجزیہ شائع ہوا، وہ لکھتے ہیں کہ 'اس حتمی معاہدے کو کم از کم ایک ملک کے لیے خالص ترین کامیابی کے طور پر دیکھا جائے گا: اور وہ ہے پاکستان، جس نے امریکا اور ایران کے مابین مرکزی ثالث کا کردار ادا کیا ہے۔ فی الحال، اسلام آباد میں خوشی کے شادیانے بجنے چاہئیں۔ اگر پاکستان کی قیادت عقلمند ہے، تو وہ عالمی توجہ کے اس سنہری لمحے کو معاشی ترقی کو آگے بڑھانے اور عوام کی وسیع تر مشکلات کو کم کرنے کے لیے استعمال کرے گی'۔

یہی حقیقت ہے۔ اس پوری کہانی میں اگر کسی کا پلڑا بھاری ہوا ہے تو وہ پاکستان ہے۔ فیلڈ مارشل عاصم منیر کی ٹرمپ کے ساتھ ذاتی قربت، ایران اور امریکا دونوں کے ساتھ پاکستان کا برسوں پرانا اعتماد، اور قطر، سعودی عرب اور ترکیہ کی حمایت نے پاکستان کو وہ کردار دے دیا جو کبھی قطر یا عمان جیسے روایتی ثالثوں کو ملتا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان محض ایک سیکیورٹی ریاست نہیں بلکہ ایک سنجیدہ سفارتی کھلاڑی بھی بن سکتا ہے۔ امتحان مگر آگے ہے۔ ٹرمپ نے ابراہم اکارڈز میں شمولیت کی شرط رکھ دی ہے، تو کیا پاکستان کو اب اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے؟ میرے خیال میں ہرگز نہیں، فلسطینی ریاست کے بغیر اسرائیل سے کوئی تعلق ممکن نہیں، اور پاکستان کا یہی مؤقف برسوں سے واضح رہا ہے۔ ہمیں عالمی سطح پر اپنی پزیرائی کو معیشت کی بہتری کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ سب سے اہم بات ہے۔

خاکسار کی نظر میں اصل کہانی معاہدے کے چودہ نکات میں نہیں، اس بدلتے توازن میں ہے جس کا یہ جنگ گواہ بنی۔ سرد جنگ کے بعد جو دنیا ایک ہی سپر پاور کے گرد گھومتی رہی، وہ اب آہستہ آہستہ کئی مرکزوں میں بٹتی دکھائی دے رہی ہے۔ چین اہم ترین پلیئر بن رہا ہے۔ روس یوکرین جنگ کے بعد بھی کمزور نہیں ہوا۔ یورپ اپنا راستہ ڈھونڈ رہا ہے، خلیجی ریاستیں اپنی حفاظت خود کرنے کی سوچ رہی ہیں اور پاکستان جیسے ممالک کو نئی گنجائش مل رہی ہے۔ ایران امریکا جنگ کا یہی سبق ہے۔

(بحوالہ: ''وی نیوز ڈاٹ پی کے''۔ ۱۹؍ جون ۲۰۲۶ء)

اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی کی شائع کردہ نئی کتب

قرآن کے زیرِ سایہ
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
قیمت: ۸۰۰ روپے

دانائے سُبل
محمد صابر حسین ندوی
قیمت: ۱۰۰۰ روپے

پڑوسی کے حقوق
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
قیمت: ۱۰۰ روپے

زندگی کے عام فقہی مسائل
(چھ جلدیں)
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
قیمت: ۳۳۰۰ روپے

اکیڈمی بک سینٹر۔ D-35، بلاک-5، فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی۔ فون: 021-36368020

MA'ARIF FEATURE - Publisher:Shahid Hashmi; Printer:Hassan M.Abbasi,City Press,Karachi; Office:D-35,Block-5,F.B.Area,Karachi-75950